شیخ الحدیث
(علیہ الرحمہ)
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری
مذہبی وملّی خدمات
ناشر
بزم تعلیماتِ اکابرین

اظہارِ تشکر

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ شیخ الحدیث حضرت عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ کتاب شائع ہو کر آپ تک پہنچی۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ علامہ الازہریؒ نے پچاس سال دین کی خدمت کی۔ شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز رہے، ہزارہا شاگردوں نے فیض حاصل کیا لیکن ان کے بارے میں کوئی کتاب سامنے نہیں آئی۔ یہ بہت فکرمندی کی بات ہے۔ اکابرین اُمت کیلئے ہمیں اپنی سوچ کو تبدیل کرنا ہوگا۔ اور نئی نسل کو اپنے اکابرین سے متعارف کرانے کیلئے سنجیدہ اقدامات کرنے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سعادت عطا کی، ہم اس کے بے حد شکر گذار ہیں۔ ہم ان تمام احباب کے بھی شکر گذار ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں دامے، درمے، قدمے، سخنے ہم سے تعاون کیا۔ ہم ان تمام اہل علم، اہل قلم، ادباء، مشاہیر، مشائخ، علماء کے بہت شکر گذار ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں، انٹرویو سے ہماری اس کتاب میں تعاون کیا اور شیخ الحدیث کے حوالے سے اپنے خیالات، یادیں جمع کیں، تمام ادب نواز لوگ جانتے ہیں کہ کسی سے انٹرویو کو ٹیپ کرنا اور پھر اسے تحریر کرنا ایک دشوار کن مرحلہ ہے۔ اس کتاب میں جن دوستوں نے یہ مراحل طے کیے ہم ان کے بھی شکر گذار ہیں۔

بزمِ تعلیماتِ اکابرین
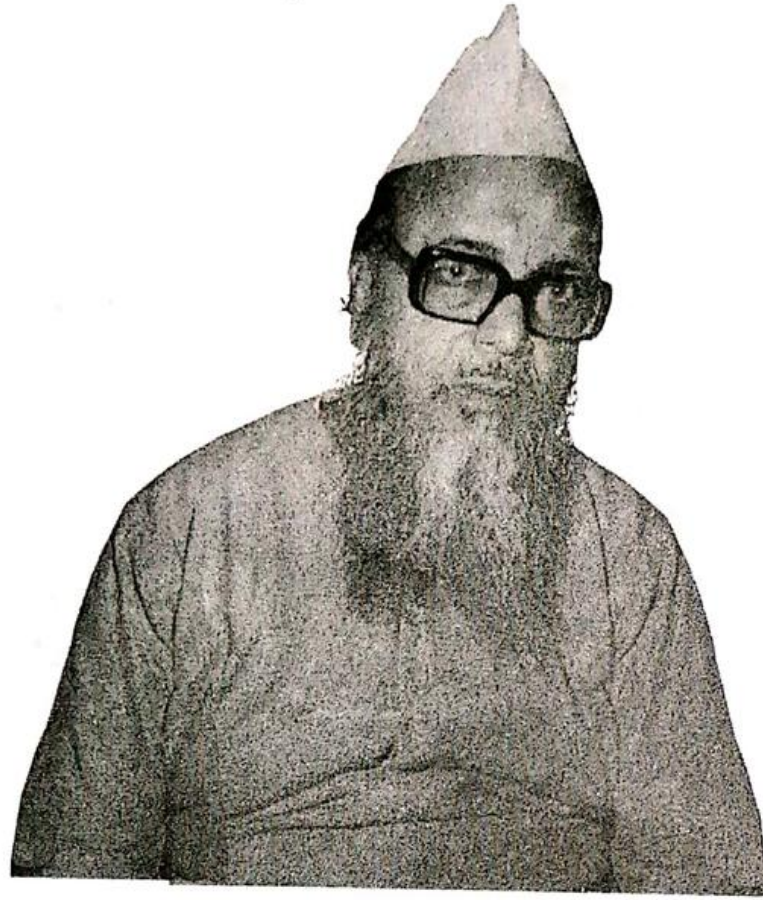
شیخ الحدیث
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری
مذہبی وملّی خدمات
ناشر
بزمِ تعلیماتِ اکابرین

نام کتاب ـــــــــ علامہ عبد المصطفیٰ الازہری مذہبی وملّی خدمات

ناشر ـــــــــ بزم تعلیماتِ اکابرین

سرپرست ـــــــــ حاجی محمد حنیف طیب

مجلس مشاورت ـــــــــ علامہ نسیم احمد صدیقی

مولانا جمیل الرحمٰن سعیدی

مفتی محمد صابر امجدی

مجلس ادارت ـــــــــ میر حسین علی امام

معین الدین نوری

احمد رضا طیب

معاونین ـــــــــ عبد القیوم ناتھانی

عبد الغفار سعیدی

اہتمام طباعت ـــــــــ محمد ذکاء العزیز

تاریخ اشاعت ـــــــــ فروری ۲۰۰۸ء

فہرست مضامین

مناجات

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیٔ دیدارِ حُسنِ مصطفیٰ ﷺ کا ساتھ ہو

یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
اُن ﷺ کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر
سیدِ بے سایہ کے ظلِ لوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب ﷺ کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کُھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جُرم میں
اُن تبسّم ریز ہونٹوں کی دُعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
اُن ﷺ کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پُل صراط
آفتابِ ہاشمی نورُ الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
رَبِّ سَلِّم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب سے آمیں رَبَّنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا ساتھ ہو

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

نعتِ رسولِ مقبول

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

فرش والے تری شوکت کا عُلو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضؔا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضؔا محدث بریلوی

ابتدائیہ

اکابر اُمت کے تذکرے اور سوانح کو ہر دور مین بڑی اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ یہ تحریریں نہ صرف ان اکابر کی حیات وخدمات کا آئینہ ہوتی ہیں بلکہ پڑھنے والوں کے افعال وکردار اور خیال وفکر کی تطہیر کا باعث بھی بنتی ہیں۔ ان تحریروں سے جہاں ماضی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ،وہاں مستقبل کو سنوارنے کے لئے ہدایت بھی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی بھی ان اکابر امت کا حصہ ہے۔

قیام پاکستان کے بعد جن علماء نے اس ملک میں قرآن وسنت کی ترویج و اشاعت اور اسلام کی بالادستی کے لئے علمی اور عملی دونوں سطحوں پر مسلسل اور انتھک جدوجہد کی ان میں حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کی ذاتِ گرامی قدر بڑی نمایاں وممتاز ہے۔ آپ نے قال اللہ اور قال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کا پرچم بھی بلند رکھا اور کبھی حق سے دستبردار نہیں ہوئے۔ ذاتی آسائش اور سکون کو قومی وملی مفادات کی خاطر ہمیشہ قربان کیا۔ آپ کا ایک ایک لمحہ دینی وقومی خدمات میں بسر ہوا۔ آپ نے ذاتی انا اور اپنے نسبی تعلق کے حوالے سے نہ کبھی فخر ومباہات کا اظہار کیا اور نہ دوسروں کی عزت نفس کا سودا کیا۔ بس ایک عالم درویشی میں اپنے مقصد اور مطمح نظر کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ شیخ الحدیث کی مسند سے لے کر قومی اسمبلی کی نشست تک ہمیشہ آپ وہی نظر آئے' جو تھے۔ علمائے سلف و صالحین کی یہی شان ہوتی تھی اور علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اسی شان کے آدمی تھے۔

اللہ رب العزت اپنے حبیب کے طفیل ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہماری آنے والی نسلوں کو علامہ ازہری کے نقوشِ زندگی سے اپنے مستقبل کی راہ تلاش کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

حضرت علامہ ازہری کے حالات زندگی پر ان کے وصال کے چند ماہ بعد ہی ایک اچھی کتاب سامنے آجانی چاہیے تھی یقیناً جنہوں نے مسلسل پچاس سال حدیث پڑھائی ہو، جن کے ہزاروں شاگرد پاکستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہوں، ان پر مضامین کا گلدستہ جمع کر کے شائع کرنا نسبتاً ایک آسان کام تھا لیکن بالآخر یہ سعادت بزم تعلیماتِ اکابرین کو حاصل ہوئی کہ جس نے انتھک محنت کر کے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچائی۔

اس سلسلے میں مضامین لکھنے والے مضامین کے حصول کے لئے مسلسل رابطہ کرنے والے، سارے ہی احباب کا میں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں بالخصوص مولانا غلام حیدر سعیدی، عبدالقیوم ناتھانی، قاضی خالد، معین الدین نوری، عبدالغفار سعیدی قابل مبارک باد ہیں، سب سے زیادہ محنت اور جاں فشانی میر حسین علی امام نے کی۔ امید ہے کہ وہ استقامت سے اپنے اس مشن کو جاری رکھیں گے۔

طالب دُعا

محمد حنیف طیب

☆☆☆

بزم تعلیمات اکابرین کی جانب سے دوسری کتاب غزالیٔ دوراں، رازیٔ زماں

علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

کے حوالے سے جلد شائع کی جائے گی۔

اکابرینِ اُمت کی اہمیت

میر حسین علی امام

کسی بھی ملک و قوم کی تعمیر میں ادیب، دانشور، سیاستدان، مذہبی مبلغ، معلّم، سائنسدان، سماجی ماہرین کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر یہ افراد اپنے پیشے کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی اقدار، انسانی اقدار کے حامل ہوں تو ان کی اہمیت مزید دوچند ہوجاتی ہے۔ پاکستان کی تعمیر میں صحافی، ادیبوں، دانشوروں کے ساتھ ساتھ علماء و مشائخ نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور سیاستدانوں کا نہ صرف قبلہ درست کیا بلکہ اسلامی خطوط پر آئین سازی کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

جدوجہد آزادی میں، تحریک پاکستان میں، قراردادِ مقاصد کی تدوین میں، 1956ء، 1962ء، 1973ء کے آئین میں اور ان کے علاوہ مختلف تحاریک میں قوم ان مشاہیر کی خدمات جانتی ہے۔ یہ مشاہیر، مشائخ، علماء، سیاستدان، سماجی شخصیات ہماری تاریخ، ہماری روایات کا اہم حصہ ہیں۔ ان کی زندگی مینارۂ نور ہے۔ ان کی کوشش و سعی، جدوجہد نئی نسلوں کیلئے رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ ضرورت اس امر کی محسوس کی گئی کہ ان مشاہیر، ان اکابرین اُمت کے واقعات، حالات، کارناموں، سیرت کو یکجا کیا جائے اور ان کو کتابی سلسلوں کے ذریعے مرتب و مدون کر کے عام کیا جائے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ نئی نسل ان کے کارناموں، جدوجہد، قربانیوں سے آگاہ ہو بلکہ یہ اسپرٹ ان میں بھی پیدا ہو کیونکہ یہ وقت کا تقاضا ہے کہ ایسے لوگوں، صالحین، مشائخ و علماء کی شخصیت و سیرت کے واقعات لوگوں تک پہنچیں اور جو غلط فہمیاں ہیں وہ نہ صرف دور ہوں بلکہ ان کی قربانی و سیرت سے ہماری کردار سازی، شخصیت سازی میں آسانی ہو۔ یہ دور قحط الرجال کا دور ہے۔ اس میں صالحین، علماء، مشائخ کا موجود ہونا غنیمت ہے۔ یہ انبیاء کے وارث ہیں، اسلامی تعلیم و تہذیب، تمدن کے امین ہیں۔ یہ قوم و ملک کے مسیحا ہیں، قوم و ملک کی اساس ہیں،

ہمارے وجود کا حصہ ہیں ہمارا و بود ان کی خوشبو سے معطر ہے۔

میری ہمیشہ سے علم و آگہی سیکھنے اور پھیلانے کی آرزو رہی ہے۔ دیارِ ادب میں پچیس سال سے علمی، ادبی، سماجی، اسلامی شعبوں میں کسی نہ کسی درجے میں کچھ نہ کچھ کام کرتا رہا کہ مسلمان کی پہچان علم سے ہے۔ علم مسلمانوں کی میراث ہے جہاں سے ملتا ہے حاصل کرتا ہے اور پھر اس روشنی کو دیگر لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ میں ہمیشہ سے بزرگانِ دین، تصوف، سیرت نگاری، تاریخ نگاری کا طالب علم رہا ہوں۔ اور سیرت کے گوشوں، بزرگان دین کے واقعات کے تجزیوں سے روشنی، فیض حاصل کرتا ہوں اور اسے آسان، عام فہم انداز میں لوگوں تک پہنچانا میرا مشن رہا ہے۔

میں نے حضرت حاجی حنیف طیب صاحب سے گزارش کی کہ اکابرین و مشاہیر کے حوالے سے، بزرگانِ دین کے حوالے سے میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے حوصلہ افزائی کی اور یوں کچھ اور نوجوان ہم خیال اہل قلم و سماجی شخصیات جمع ہوئیں اور ''اکابرین اُمت'' کے نام سے ایک کتابی سلسلہ کی اشاعت کا پروگرام تشکیل پایا۔ اس کتابی سلسلہ کے تحت مختلف اکابرین پر مختلف اہم مشاہیر کے مضامین یکجا کیے جائیں گے۔

ان کے افکار و خدمات کا احاطہ کیا جائے گا۔ نئی نسل کو مستند تاریخ مل جائے گی۔ یہ مشاہیر ہماری آج کی تاریخ کا نہ صرف اہم دور ہیں بلکہ پاکستان کی تاریخ کا، پاکستان میں اسلامی سیاسی و ملی جدوجہد کا ایک زریں باب اور عہد ہے۔ یہ آنے والے کل کے مؤرخوں کے لیے، تجزیہ نگاروں کے لیے، محققین کے لئے رہبر و رہنما ہیں۔

''اکابرین اُمت'' کا یہ کتابی سلسلہ ایم اے اور ڈاکٹریٹ کرنے والوں کے لیے بھی ایک گراں قدر، سرمایہ، مأخذ ہوگا۔ پاکستانیات، اسلامی علوم، تاریخ اسلام کے محققین، مورخین، تجزیہ نگاروں، صحافیوں اور طالب علموں کے لیے یہ قیمتی اثاثہ ہوگا۔ ہم کوشش کریں گے کہ ''اکابرین اُمت'' میں اہم شخصیات کے حوالے سے مضامین و مقالات زیادہ سے زیادہ یکجا ہوں اور پیش کیے جائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس دور قحط الرجال میں ہماری یہ ابتدائی کوشش بارش کے پہلے قطرے سے زیادہ محسوس ہوگی اور بارش ہونے کا خوشگوار احساس، سرخوشی پیدا کرے گا۔ میں اپنی طرف سے اور اپنی پوری ٹیم کی طرف سے حاجی

حنیف طیب صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس کتابی سلسلہ کو جاری کرنے میں نہ صرف تعاون کیا بلکہ ہر ممکن سرپرستی فرمائی۔

میں تمام مضمون نگاروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہم سے قلمی تعاون کیا۔

میں اپنے رفقاء معین نوری اور احمد رضا کا بھی بہت شکرگزار ہوں جن کے تعاون کے بغیر اس کا اجراء ممکن نہ تھا۔
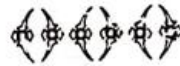
اظہارِ تشکر

علم کا فروغ ہم سب پر فرض ہے۔ ایسے اہل ثروت جو علم کے فروغ میں اپنا مثبت کردار ادا کرتے ہیں وہ قابل مبارکباد اور قابل ستائش ہیں۔ ہم دل کی گہرائیوں سے ان تمام افراد اور اداروں کے مشکور ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں ہم سے تعاون کیا اور جن کے تعاون کی وجہ سے یہ کتاب شائع ہوکر آپ کے ہاتھوں تک پہنچی۔

اس کتاب کیلئے مواد جمع کرنے میں جس قدر محنت کرنی پڑی ہوگی اس کا اندازہ ہر ذی شعور لگا سکتا ہے لیکن اب جبکہ ہمارے مخلص معاونین کے تعاون سے یہ کتاب شائع ہوگئی ہے ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری محنت وصول ہوگئی ہے۔ اُمید ہے بزم تعلیماتِ اکابرین کی طرف سے دیگر اہم شخصیات کے بارے میں کتب کی اشاعت میں ہمارے دیگر معاونین بھی ہماری حوصلہ افزائی کریں گے۔

ہماری دعا ہے کہ جن احباب نے ہماری اس کتاب کی اشاعت میں ہم سے تعاون کیا ان کے اخلاص کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان کے مرحومین کی مغفرت کرے۔

(آمین)

منقبت غوث الاعظم

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کے ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف
کعبہ کرتا ہے طوافِ درِ والا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

قسمیں دے دے کر کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ تیرا چاہنے والا تیرا

مصطفٰے کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا میری جاں جلوۂ زیبا تیرا

اور پروانے ہیں جو کعبہ پر ہوتے ہیں نثار
شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

فخر آقا میں رضاؔ اور بھی اک نظم رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرہ تیرا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

پیغامات

نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم محمد اختر رضا خاں الازہری قادری

(بریلی شریف)

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری صاحب (علیہ الرحمہ) کے وصال کی خبر سن کر صدمہ ہوا۔ مولائے قدیر اپنے محبوب علیہ السلام کے طفیل انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ مہربانی کر کے حضرت الازہری صاحب علیہ الرحمۃ کے صاحب زادگان اور ان کے دوسرے متعلقین تک میری تعزیت پہنچا دیں۔ یہاں ایصال ثواب کرادیا ہے۔ مدرسہ کے اساتذہ اور دیگر احباب کو سلام مسنون۔

محمد خان جونیجو

سابق وزیراعظم پاکستان

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے وصال پر میری قلبی تعزیت قبول فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو سکون عطا فرمائے اور آپ کو اور سوگوار اہل خانہ کو ناقابل تلافی نقصان کو برداشت کرنے کی ہمت دے۔

وسیم سجاد

سابق چیئرمین، سینیٹ آف پاکستان

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے انتقال کی اطلاع سے مجھے سخت ذہنی تکلیف پہنچی۔ مرحوم نے بحیثیت پارلیمنٹرین اور مذہبی رہنما کے جو خدمات سرانجام دیں وہ تادیر یاد رکھی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان کو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

❁❁❁

خواجہ محمد صفدر

سابق چیئرمین، وفاقی مجلس شوریٰ پاکستان

محترم علامہ صاحب کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ مرحوم جید عالم تھے۔ خوش اخلاق، ملنسار اور منکسر المزاج تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ میں گزشتہ چار سال سے بعارضہ کینسر بیمار ہوں۔ سفر کے قابل نہیں ہوں ورنہ ضرور حاضر خدمت ہوتا، معذرت خواہ ہوں۔

❁❁❁

تعزیت

علامہ ارشد القادری

حضرت علامہ ازہری کی وفات حسرت آیات کی اطلاع بہت تاخیر سے ملی۔ میں اٹھارہ دن سے بھاگلپور میں مشاورت کے سلسلے میں پٹنہ میں شب و روز مصروف ہوں۔ حکومت کی طرف سے حالات کا جائزہ لینے کیلئے مسلم تنظیموں کے سربراہ وفد کیساتھ میں بھی وہاں گیا تھا۔ انہی مصروفیات کی وجہ سے شدہ شدہ ایک صاحب کی زبانی اس حادثہ کی خبر ملی۔ اور دل پہ جیسے ایک بجلی گر پڑی۔

حضرت علامہ ازہری امجدی علوم و معارف کے خازن و امین تھے۔ قوتِ حفظ و

ذہانت میں وہ اپنے معاصرین کے اندر بالکل منفرد تھے۔ خدائے قدیر ان کی تربت پر رحمت وکرم کے پھول برسائے۔ ساری زندگی انھوں نے علمِ حدیث کی خدمت کی ہے، اس کا صلہ انھیں ضرور ملے گا۔ اور دین کو زندہ رکھنے کیلئے علمائے حقانیین کی جو فوج انھوں نے آپ کی (مفتی ظفر علی نعمانی صاحب) قیادت میں تیار کی ہے، وہ انھیں عرصۂ دراز تک زندہ رکھے گی۔ آپ کے دار الحدیث کی وہ زینت تھے۔ ایسا جامع اور متبحر استاذ اب مشکل ہی سے مل سکے گا۔ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ ان کی وفات سے آپ کو دہرا صدمہ ہوا ہوگا۔

ہم لوگوں کی طرف سے ان کے اہل وعیال کو تعزیت پہنچا دیجیئے۔ خدائے قدیر انھیں صبر وشکر کی توفیق مرحمت فرمائے اور حضرت مرحوم کو جنت عالیہ میں اعزاز واکرام کی جگہ مرحمت فرمائے۔ از راہِ کرم ان کے چہلم کی تاریخ سے مطلع فرمائیں۔ تاکہ اس تاریخ پر ہم لوگ بھی ان کیلئے ایصالِ ثواب کی مجلس منعقد کریں۔ حضرت مولانا قاری رضاء المصطفی صاحب کو بھی سلام کیساتھ ہماری طرف سے تعزیت پہنچا دیں۔ عم محترم مولانا حلیم احمد صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز، گھر میں سب لوگوں کو سلام، بچوں کو دعائیں۔

❁❁❁

پروفیسر عبدالغفور احمد

نائب امیر، جماعت اسلامی پاکستان

مکرمی و معظمی جناب مفتی صاحب!

میں کل لاہور جارہا ہوں اور 25 نومبر کو کراچی نہ ہونے کے باعث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں منعقد ہونیوالے اجتماع میں شرکت کی سعادت سے محروم رہوں گا۔ میں ان کے عقیدت مندوں میں سے ایک ہوں اس لئے اس پروقار اجتماع میں شرکت نہ کرنے کا افسوس رہے گا۔

❁❁❁

علامہ سید محمود احمد رضوی

شارح بخاری شریف' سابق چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی

ورکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، مہتمم دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی وفاتِ حسرت آیات کی خبر پا کر سخت و شدید صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ میری طرف سے اور گھر بھر کی طرف سے تعزیت کی جاتی ہے۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون) علامہ الازہری صاحب ایک جید عالم دین' مفتی' محدث' مقرر اور ایک مدبر سیاست دان بھی تھے۔ انہوں نے ساری زندگی درس حدیث میں صرف کی۔ ان کی وفات سے علمی دنیا میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

❁❁❁

مفتی محمد حسین نعیمی

مہتمم جامعہ نعیمیہ' لاہور

حضرت فقیہ العصر، شیخ الحدیث والتفسیر، علامہ محمد عبدالمصطفیٰ الازہری نور اللہ مرقدہ کا رحلت فرما جانا اہلسنت و جماعت کے لئے اس قدر عظیم نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ تعلیمات اسلامیہ و علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں اور خصوصاً علوم قرآن' حدیث و فقہ میں آپ کی خدمات گراں مایہ رہی ہیں' جو صدقہ جاریہ کی حیثیت سے ہمیشہ آپ کی سعی جلیلہ کی یاد دلاتی رہیں گی۔

اس کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے میدان سیاست میں ہمیشہ اہل سنت و جماعت کے حقوق کی حفاظت و پاسداری کے لئے سرگرم عمل رہے آپ کی ذات والا صفات دین و سیاست کے اوصاف حمیدہ کو بیک وقت اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔

پاکستان کی عظیم اور مایہ ناز علمی درس گاہ ''دارالعلوم امجدیہ'' کے یوم تاسیس سے لیکر آخر وقت تک مسند شیخ الحدیث والفقہ کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہ کر اسلاف کے کارناموں کو زندہ

دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ابدی سکون عطا فرمائے اور اہل خانہ کو اس عظیم صدمے کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ (آمین)

❁❁❁

شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری نہ صرف اپنے وقت کے ظریف الطبع مقرر، فقیہ اور محدث تھے بلکہ ایک مقبول قومی لیڈر بھی تھے۔ آپ کی وفات کی خبر سن کر قلبی طور پر نہایت صدمہ ہوا۔ حضرت مرحوم کی دینی، ملی خدمات قابل قدر ہیں۔ بالخصوص ملک کی قومی اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں آپ کی کاوشیں اور مسلمان کی تعریف مرتب کرکے پاکستان کے آئین میں شامل کرانا آپ کے تابندہ کارنامے ہیں۔ ساری عمر انہوں نے تدریس حدیث کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا۔ ان کی تدریس کا ایک مخصوص طریقہ تھا جس کی اس دور میں مثال مشکل ہے۔ آپ کی وفات نہ صرف آپ کے متعلقین بلکہ تمام اہلسنت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ موت العالم، موت العالم۔

ہماری دلی دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آپ کے تمام متعلقین کو اس حادثہ پر صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ دارالعلوم اشرف المدارس میں خصوصی طور پر ان کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

❁❁❁

جسٹس ریٹائرڈ احمد سعید اعوان

سابق وزیر مملکت اطلاعات ونشریات

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے انتقال کی خبر سن کر گہرا صدمہ ہوا۔ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری ایک ممتاز اور نامور پارلیمنٹرین تھے۔ قوم ایک عظیم اور محبّ وطن پاکستانی رہنما سے محروم ہوگئی۔ اسلام اور پاکستان کے لئے ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ براہ مہربانی میری دلی ہمدردی اور دلی تعزیت قبول فرمائیے گا۔ میری دعا ہے کہ وہ مرحوم کی

روح کو ابدی سکون عطا فرمائے، ان کے خاندان کو اس ناقابل تلافی صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

❁❁❁

ڈاکٹر محمد مسعود احمد

سرپرستِ اعلیٰ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا

حضرت علامہ الازہری قدس سرہ العزیز کی مفارقت ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ جس معاشرے میں انسانوں کا قحط ہو وہاں انسان بنانے والی مقدس ہستی کا اٹھ جانا ایک قومی المیہ ہے۔ اب جو جاتا ہے اپنی جگہ خالی چھوڑ جاتا ہے۔ حال کا غم ماضی کے غم سے زیادہ شدید ہے۔ پہلے جاتے تھے مگر جانشین چھوڑ جاتے تھے لیکن اب ہم ہیں اور ماتم ایک شہر آرزو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

منعم حقیقی علامہ قدس سرہ کو اپنے جوار اقدس میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور اہلسدت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)

❁❁❁
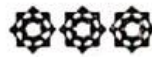
علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی

مانچسٹر، برطانیہ

یہ میری حرماں نصیبی ہے کہ کئی ماہ کے سفر کے ساتھ مانچسٹر آیا تو ملت اسلامیہ، اہلسدت و جماعت کے چراغ راہ، ہادی کامل محدث لاجواب علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے وصال پُرملال کی خبر صبح حشر موصول ہوئی۔ سنی رضوی سوسائٹی کے دفاتر کو اطلاع دی گئی۔ جنوبی افریقہ، ماریشس، مالاوی، زمبابوے وغیرہ میں ایصال ثواب کے لئے اجتماعات ہوئے۔ تلاوت قرآن ہوئی۔ مولائے غفور، محدث جلیل کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے علمی تدریسی چراغ کو ہمیشہ روشن رکھے۔ (آمین)

❁❁❁
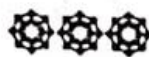
اُستاد القرأ علامہ قاری خیر محمد چشتی

جامعہ مدینۃ الاسلام، ہالینڈ

بقیۃ السلف جگر گوشہ صدر الشریعۃ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ الازہری کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فقیر، آپ کے ادارے کے تمام متعلقین اور حضرت علامہ کے صاحب زادگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اہلسنت کا ملی و علمی حلقہ عموماً اور ادارہ دارالعلوم امجدیہ خصوصاً ایک جلیل القدر محدث اور عظیم قائد و رہنما سے محروم ہوگیا۔ یہ عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ کریم آپ حضرات کو اس حادثہ پر صبر کی توفیق اور صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ اہلسنت و جماعت اور خصوصاً ادارے کو حضرت کا نعم البدل نصیب فرمائے۔ (آمین) حضرت کی وفات پر مختلف مساجد اور سینٹرز میں ایصال ثواب کے لئے دعا کرائی گئی ہے۔

تنظیم المدارس (اہلسنت پاکستان)

کے سالانہ اجلاس کی تعزیتی قرارداد

تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان کے سالانہ اجلاس، مجلس شوریٰ منعقدہ 25 اکتوبر 1989ء کے موقع پر پاکستان بھر سے تشریف لائے ہوئے علماء کرام نے علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ کراچی کے وصال پر مرحوم کے لئے فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کے علاوہ ایک قرارداد تعزیت منظور کی جس کا متن حسب ذیل ہے۔ اجلاس کی صدارت صاحبزادہ پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی نے کی۔

''پاکستان بھر کے سنی مدارس کے مہتمم حضرات کا یہ عظیم اجتماع حضرت استاذ العلماء شیخ المعقول والمنقول علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے وصال پر انتہائی رنج و الم کا اظہار کرتا ہے اور اس عظیم حادثہ کو اہلسنت کے لئے ناقابل تلافی نقصان قرار دیتا ہے۔ آپ نے زندگی بھر جس بے لوث انداز سے دینی و ملی خدمات سرانجام دی ہیں وہ عوام و خواص اہلسنت خصوصاً علماء کرام کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور

کی خدمات قبول فرمائے اورانہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے‘‘۔(آمین)

مفتی عبدالقیوم ہزاروی

ناظم اعلیٰ، تنظیم المدارس اہلسنت، پاکستان

❁❁❁

مولانا محمد رحمت اللہ

سابق ممبر قومی اسمبلی، جامعہ محمدی شریف جھنگ

حضرت علامہ مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری کی خبر وفات حسرت آیات معلوم کرکے دلی صدمہ ہوا۔ آپ اہلسنت وجماعت کے عظیم قائد اور مایہ ناز ہستی تھے۔ یہ خلاء پر ہونا مشکل ہے۔ جب آپ پاکستان تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ دارالسلام جامعہ محمدی میں بطور صدر مدرس کام کرتے رہے۔ دو سال جامعہ محمدی میں گزارنے کے بعد آپ ہارون آباد تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر علیہ الرحمۃ سے آپ کا گہرا دلی تعلق تھا۔ جامعہ محمدی شریف میں ایک تعزیتی اجلاس بلایا گیا۔ عملہ وطلباء کو آپ کا تعارف کرایا گیا بعد ازاں قرآن خوانی کے بعد ایصال ثواب کیا گیا اور دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ علامہ صاحب مرحوم و مغفور کو غریق رحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔(آمین)

❁❁❁

شیخ الحدیث مفتی محمد رحیم سکندری

جامعہ راشدیہ درگاہ پیر جو گوٹھ، سندھ

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے وصال پر دلی تعزیت کرتا ہوں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو یہ صدمہ اٹھانے کی ہمت دے۔(آمین)

❁❁❁

عبدالعزیز عرفی

ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ

مولانا محترم کے شجر علمی پر گفتگو تو یقیناً اہل علم ہی کریں گے۔ راقم السطور تو بہ اعتبار پیشہ وکیل، بہ لحاظ مسلک ادنیٰ خادم غوث الوراء اور بتوسل قلم ایک کم ترین غلام مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یہی نسبت آپ کے بزرگوار اور برادر اکبر علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کی بابت کچھ لکھنے کی ہمت افزائی کر رہی ہے۔ شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری زندگی بھر ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اقوال و افعال اور تقریر کا درس دیتے رہے۔ یقیناً یہ ایک خدمت جلیلہ تھی اور نسبت جمیلہ بھی۔ ان سے تعارف سیدنا و مرشدنا نبیرہ غوث الاعظم حضرت السید عبدالقادر الگیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت فیض رساں میں ہوا۔ یہ پچیس برس پہلے کی بات ہے۔ مرشدی ان دنوں باتھ آئی لینڈ میں رہا کرتے تھے۔ حضرت قدس سرہ العزیز شیخ الحدیث سے محبت بھی کرتے تھے اور ان کے لئے ادب و احترام کے مقامات بھی اعلیٰ تھے۔ ان دنوں اتوار کے دن صبح کے اوقات میں سیدی و مرشدی کے بنگلہ پر ہفتہ واری محفل گیارہویں شریف کا اہتمام ہوا کرتا تھا اور قریب ظہر دعوتِ طعام۔ علامہ کی آمد اتفاقی ہوا کرتی تھی چونکہ ان کی اپنی مصروفیات تھیں، سب سے بڑی ذمہ داری دارالعلوم کی تھی۔ بہرکیف جب بھی تشریف لاتے، حضرت سیدی و مرشدی کو بڑی مسرت ہوتی تھی۔ ایک دن محفل ختم ہوچکی تھی، مہمان بھی کھانے پر بیٹھ چکے تھے، حضرت برابر کے کمرے میں اپنے ہاتھ دھو رہے تھے اور یہ ناچیز آپ کے پیچھے کھڑا تھا کہ دفعتاً دروازے کی گھنٹی بجی اور فوراً ہی سیدنا و مرشدنا کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

"واللہ مولانا الازہری ہے۔ واللہ مولانا الازہری ہے"۔

اور دوسرے ہی لمحے مولانائے محترم چند حضرات کے ہمراہ مسکراتے ہوئے نبیرہ غوث الاعظم سے بغلگیر ہورہے تھے۔ مولانا صاحب کے لئے خصوصی طور پر ایک کرسی منگوائی گئی اور حضرت نے اپنے قریب بٹھایا۔ سیدی و مرشدی نے اپنا مستعمل جبہ (خرقۂ طریقت) بھی ایک دوسرے موقع پر عطا فرمایا تھا۔

❁❁❁

علامہ سید حسین الدین شاہ

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی

حضرت علامہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال اہلسنت و جماعت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ یہ جانکاہ خبر سن کر بیحد صدمہ ہوا۔ علامہ مرحوم اہلسنت کا سرمایہ اور عالم اسلام کے مایہ ناز محقق و محدث تھے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ کے افکار کے امین اور فقہ حنفی کے عظیم ستون تھے۔

۞۞۞

اسلامی جمہوری اتحاد سندھ

کے اجلاس کی تعزیتی قرارداد

اسلامی جمہوری اتحاد سندھ کا اجلاس زیر صدارت الحاج شمیم الدین 23 نومبر 1989ء کو ہوا۔ جس میں منظور کی گئی قرارداد ارسال خدمت ہے۔

''یہ اجلاس حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کی وفات پر افسوس اور دکھ کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم نہ صرف جید عالم، مبلغ اسلام تھے بلکہ قومی سیاست میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ یہ اجلاس دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

۞۞۞

صاحبزادہ سید محمد مسکین شاہ

دربار عالیہ قادریہ، سید آباد شریف، ہری پور، ایبٹ آباد

مفکر ملت، شیخ الحدیث و التفسیر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری مرحوم و مغفور کی وفات کی الم ناک خبر سن کر از حد دکھ ہوا۔ مولانا مرحوم عالمِ اسلام کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ مولانا کی ذات سے کون واقف نہیں۔ ان کی یاد ہر مسلمان کے دل میں تازندگی رہے گی اور دین متین کی خدمات کبھی فراموش نہ ہوں گی۔ ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور

بارگاہ رب العزت میں دست بہ دعا ہیں کہ مولا کریم اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے مولانا مرحوم کی قبر کو منور فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ (آمین)

❁❁❁

محمد سمیع الحق

سینیٹر و جنرل سکریٹری، جمعیت علماء اسلام

مخدومی حضرت مولانا مفتی ظفر علی نعمانی صاحب دامت برکاتہم!

تقریباً ایک ماہ بیرون ملک سفر پر تھا، واپسی پر حضرت علامہ الازہری مرحوم کی وفات کا علم ہو کر از حد صدمہ ہوا۔ علامہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بے حد خوبیوں سے نوازا تھا، اعتدال اور وسعت قلب کی دولت سے مالا مال تھے، نفاذ شریعت کی ہر مہم میں اسمبلی کے اندر اور باہر ہمارا ساتھ دیتے رہے۔ یہی خوبیاں اب انشاء اللہ ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنیں گی۔ ناچیز اور ادارہ دارالعلوم حقانیہ، جمعیت علماء اسلام اور متحدہ کونسل سب اس سانحہ عظمٰی میں آپ اور حضرت مرحوم کے خاندان کے ساتھ شریک غم ہیں، ازراہ کرم پورے خاندان، صاحب زادگان اور پورے حلقہ تک ہمارے جذبات غم پہنچا دیں۔

❁❁❁

بلدیہ کراچی وسطی کی تعزیتی قرارداد

بلدیہ کراچی وسطی کا یہ اجلاس شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے انتقال پر نہایت گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم تقریباً 50 سال تک دینی علوم بالخصوص حدیث شریف میں درس و تدریس دیتے رہے۔ آپ کی مذہبی، علمی، سیاسی اور سماجی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اجلاس ان کی مغفرت کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور پسماندگان کو صبر و استقامت دے"۔

❁❁❁

قطعاتِ تاریخِ ارتحال

سید عارف محمود مہجور رضوی

قطعہء تاریخ ارتحال ''سرور دل صدر الشریعہ'' 1410ھ
''مظہر حق علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری'' 1989ء

پھر قضا نے گل کھلایا اک نیا
ہوگئی پہلے سے ابتر زندگی

جل گئیں دیدہ و دل کی رونقیں
بن گئی بجلی خبر اخبار کی

بجھ گیا ہائے چراغ اہل دیں
بڑھ گئی حد سے زیادہ تیرگی

نائب صدر الشریعہ چل دیئے
شام غم ہے چار سو پھیلی ہوئی

عالم و فاضل وہ عبد مصطفیٰ
گوہر بحر فقاہت ازہری

ملت اسلامیہ کی آن تھے
فخر پاکستان تھی ان کی ذات بھی

سال رحلت کے لئے مہجور کہہ
''زبدۃ القاب منظور نبی ﷺ''

❀❀❀

صابر براری

قطعۂ تاریخ ارتحال ''آہ عزت مآب شیخ الحدیث''
1989ء ''عالی تبار علامہ عبدالمصطفٰی الازہری'' 1410ھ

پھیلی ہے برق بن کر یہ اک خبر جہاں میں
فرما گئے ہیں حضرت شیخ الحدیث رحلت
ممتاز رہنما تھے بے شک وہ اہل حق کے
مغموم کیوں نہ ہوگی دُنیائے اہل سنت
علم حدیث میں اب ہے کون ان کا ثانی
معلوم ہوگی سب کو اب ان کی قدر و قیمت
گفتار میں مکمل، کردار میں مکمل
تھے آپ ''نیک سیرت'' مجموعہ شرافت
چشم کرم ہو ان پر سرکار دو جہاں کی
یارب عطا ہو ان کو تیرا جوار رحمت
سال وصال ان کا کہہ دیجئے یہ صابر
''علامہ الازہری ہیں مال و متاع جنت''

منقبت

پروفیسر حافظ عبد الباری

ہم انہی کے باغ کے پھول ہیں
وہ ہمیں کھلا کے چلے گئے
وہی عبد المصطفیٰ ازہری
جو چمن سجا کے چلے گئے
وہ تھے ساتھ میں تو بہار تھی
کہ چمن میں ذوقِ نکھار تھی
ابھی پوچھتی ہے بلبل بوستاں
وہ کہاں ہنسا کے چلے گئے
اسی باغ کے یہ حسن بھی ہیں
گل رعنا پیارے چمن بھی ہیں
ہیں ہمارے علم کے رنگ و بو
پتہ بتا کے چلے گئے
میرے سازِ دل کی آواز ہے
میرے طائر دل کا خیال ہے
بڑی میٹھی لطف و شیریں سخن
سے ہمیں لبھا کے چلے گئے
اف کیا بیاں ہوں وہ خوبیاں
یہ ہی کہہ کے رکنا قلمِ رواں
وہ خلا کہ پر جو نہ ہو سکے
وہ مضطر دلا کے چلے گئے

منقبت درشانِ خلیفہ دوم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

از علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری حسب فرمائش محمد صابر ماجدؔ

محمد مصطفیٰ کے ترجماں صدیق اکبر ہیں
حبیب کبریا کے رازداں صدیق اکبر ہیں
رسالت پر رسول اللہ کے پہلی شہادت دی
میرے آقا کے پہلے نعت خواں صدیق اکبر ہیں
خدا راضی، نبی راضی، ہیں اہل دیں سبھی راضی
ہر اِک سنی پر دائم مہرباں صدیق اکبر ہیں
اُنڈیلا علم حق مصطفیٰ نے سب ان کے سینے میں
خدا شاہد ہے بحرِ بیکراں صدیق اکبر ہیں
فرشتے عرض کرتے ہیں اِدھر آؤ ، ادھر آؤ
تمہارے واسطے باغِ جناں صدیق اکبر ہیں
پچھاڑا کفر کو، ردّت کو، انکارِ نبوت کو
مگر پیری میں عزمِ نوجواں صدیق اکبر ہیں
عمر، عثمان وعلی نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کی
اسی باعث سبھی کے پاسباں صدیق اکبر ہیں
لقب صدیق کا حق نے شبِ معراج بخشا تھا
تعالیٰ اللہ کہا صادق زباں صدیق اکبر ہیں
بڑا رتبہ دیا ہے اللہ نے اُنہیں ماجدؔ
قریب جسمِ مرسلاں صدیق اکبر ہیں

☆☆☆

منقبت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

از ریاض احمد بدایونی

صبحِ عبدالمصطفیٰ یا شامِ عبدالمصطفیٰ
روشنی ہی روشنی ہے نامِ عبدالمصطفیٰ

ہے اُجالا ہی اُجالا جس سے ہر سو بزم میں
شمع دینِ مصطفیٰ پیغامِ عبدالمصطفیٰ

بادہ ہائے جامعہء ازہر کے ساقی پاسباں
خلد برکف کیوں نہ ہو ہر گامِ عبدالمصطفیٰ

شامِ کعبہ اُن کی آنکھیں صبح طیبہ اُن کا دِل
اللہ اللہ ہستیِ خوش کلام عبدالمصطفیٰ

جگمگاتی تھی اُنہیں سے بزمِ قرآن و حدیث
تھا نبی کا حکم ہی پیغامِ عبدالمصطفیٰ

علم قرآں ہو کہ علم فقہ یا علم حدیث
علم کا تھا اِک سمندر نامِ عبدالمصطفیٰ

سر سے پاؤں تک تھے علم و فضل کے بحرِ علوم
اسوۂ سرکار تھا اقدامِ عبدالمصطفیٰ

بحرِ علم و فضل تھے مفتی وقار الدین بھی
ان کے تھے ہمعصر صبح و شام عبدالمصطفیٰ

دو سمندر، دو زمینیں، دو آسماں، دو آفتاب
اِک وقار الدین اور اِک نام عبدالمصطفیٰ

وہ چراغِ دین و دنیا تھے پۓ بزمِ حرم
جنتیں کیسے نہ ہوں انعامِ عبدالمصطفیٰ
عظمت لوح و قلم تھی اُن کے دم سے بزم میں
دین کا پیغام تھا پیغامِ عبدالمصطفیٰ
قبلہ و کعبہ کی مدحت کس سے ہوگی اے ریاض
مہر و ماہ لینے چلے ہیں دامِ عبدالمصطفیٰ

منقبت مفتی وقار الدین و عبدالمصطفیٰ ازہری

از پروفیسر ریاض احمد بدایونی

اے چراغِ مصطفیٰ اے شمع بزمِ حیدری
اے وقار الدین و عبدالمصطفیٰ الازہری
دونوں عالم میں تم ہی خورشید ہو تم ہو ماہتاب
دین کے دونوں ستوں ہو مصطفیٰ کا ہو نصاب
ناز کر اے جامعہء امجدیہ! تیرا افتخار
ہیں یہی دو ہستیاں تیری بہار اندر بہار
یہ وقار الدین و عبدالمصطفیٰ ہم عصر ہیں
دونوں کے دونوں یہاں دینِ نبی کا قصر ہیں
ایک قندیل علم کی ہے اِک سراجِ علم ہے
وارثِ علمِ جہاں اِک اور ایک جمالِ علم ہے

علمِ قرآں ہو کہ فقہی علم یا علمِ حدیث
باعمل عالم ہیں دونوں، ان کو عرفانِ خدا
دین و دنیا میں اُجالا کردیا ہر ایک نے
روشنی کا ایک ہالہ کردیا ہر ایک نے
وہ شریعت کا ہو جادہ یا طریقت کی ہو راہ
علم وفن سے کرلیا تھا عقل نے اُن کی نباہ
اسوۂ سرکار ہی تو ہے صراطِ مستقیم
آپ پر ہے مصطفیٰ کا دستِ الطافِ عمیم

علم و فن کے تاجدار زندہ باد زندہ باد
اے وقار الدین و عبدالمصطفیٰ پائندہ باد
تیرگی میں بھی سویرا کردیا ہے علم سے
دونوں عالم میں اُجالا کردیا ہے علم سے
ایسے انساں مدتوں ہوتے نہیں پیدا ریاض
کیوں نہ ہو اِن صاحبانِ علم کا شیدا ریاض

رحمۃ اللہ علیہ
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

علامہ ازہری ۔۔ بحیثیت اُستاد اور ساتھی

علامہ مفتی وقارالدین قادری رضوی (رحمۃ اللہ علیہ)
مفتی اعظم پاکستان

کسی شخص کے مکمل حالاتِ زندگی اخلاقیات، معاملات، اشغال وغیرہ جاننے کے لئے چند ملاقاتیں یا وقتی تعلقات کافی نہیں ہوتے ہیں بلکہ اس کا صحیح علم ان کو ہوتا ہے جو زمانہ دراز تک ساتھ رہے ہوں اور وہ زندگی کے ہر پہلو کو دیکھتے رہے ہوں۔ میرا تعلق مرحوم شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری سے بہت طویل رہا ہے اور میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ غالباً 1935ء میں وہ جامعہ ازہر سے ریاست دادوں ضلع علی گڑھ تشریف لائے۔ دادوں میں مدرسہ سعیدیہ وہاں کے نواب صاحب نے قائم کیا تھا۔ اس میں ازہری صاحب کے والد ماجد حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقۃ حضرت مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت صدر مدرس تھے۔ میں وہاں طالب علم تھا۔ اس مدرسہ میں طالب علم کے داخلہ سے امتحان تک بڑی سختی تھی۔ تمام کتابوں کا امتحان تحریری ہوتا تھا۔ پرچے دوسرے مدارس کے مدرسین سے بنوائے جاتے تھے۔ ازہری صاحب کے تشریف لانے کے بعد وہ میرے ساتھ ہم سبق ہوئے۔ ہدایہ اخیرین، توضیح تلویح، تصریح، شرح چغمنی اور کتب حدیث بخاری و مسلم تک اسباق میں شریک رہے۔ رات دن اٹھنا بیٹھنا ساتھ رہا۔ اس کے بعد 1938ء میں، میں اور وہ بریلی شریف میں مدرسہ مظہر الاسلام میں مدرس ہوئے اور پانچ سال تک ایک ساتھ تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ایک ساتھ رہے، کھانا پینا ایک ساتھ تھا۔ باورچی ملازم مشترکہ تھا۔ انتظام میرے سپرد تھا تو گویا چوبیں گھنٹے کے ساتھی تھے۔ صبح

ایک ساتھ مدرسے جاتے، ایک ساتھ واپس آتے تھے۔ کھانا بھی ایک ساتھ کھاتے تھے۔ ایک ہی کمرے میں رہائش پذیر تھے۔ اس کے بعد مرحوم مبارک پور چلے گئے اور میں 1948ء تک بریلی میں مدرس رہا۔ اس کے بعد میں مشرقی پاکستان چلا گیا۔ 1970ء میں کراچی آیا تو ان کے اور مفتی ظفر علی نعمانی مہتمم دارالعلوم امجدیہ کے اصرار پر دارالعلوم امجدیہ میں مدرس ہوگیا۔ جب سے وصال تک پھر رفاقت رہی۔ اس طرح تقریباً پچیس سال رفاقت و معیت میں بسر ہوئے۔ اس زمانے میں ان کی مکمل زندگی میرے سامنے گزری۔ وہ نہایت خوش اخلاق، ملنسار، خوش طبع، ظرافت و مزاح پسند، معاملات میں صفائی، تعلقات میں حسن سلوک، یہ سب مرحوم کے خاص اوصاف تھے۔ علاوہ ازیں نعت گوئی میں بھی ان کی خاص انفرادیت تھی۔ نعت لکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ اگر مبالغہ کیا تو شرک تک نوبت پہنچتی ہے اور اگر اس میں کمی ہو، متبذل الفاظ استعمال کئے یا مرتبہ نبوت ﷺ کو ملحوظ نہ رکھا تو گمراہی بلکہ توہین نبی ﷺ تک معاملہ جا پہنچتا ہے۔ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین و ملت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عرس میں سالانہ نعتیہ مشاعرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس میں مجھے اور ازہری صاحب کو اس کام کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شاعر آداب نعت گوئی کو ملحوظ نہ رکھے تو اسے شعر پڑھنے سے روک دیا جائے۔ اس کے لئے یہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ ایک سرخ بلب لگا دیا جاتا اور جب کوئی شاعر اس قسم کا شعر پڑھتا جس میں مقام رسالت ﷺ اور عظمت و شان نبوت ﷺ کو پیش نظر نہ رکھا گیا ہو تو ہم بلب روشن کر دیتے تھے۔ اس طرح شاعر وہ شعر نہیں پڑھتا تھا۔ مگر مجمع کو معلوم ہو جاتا تھا کہ شاعر نے کوئی غلطی کی ہے۔ شعراء نے اس کو اپنی توہین تصور کیا تو پھر یہ انتظام کیا گیا کہ بلب اس طرح روشن کیا جائے کہ صرف شاعر دیکھے، مجمع کو نظر نہ آئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات بھر مشاعرے میں ایک شعر بھی غلط نہیں پڑھا جاتا۔ یہ تو اس لئے لکھا کہ نعتیہ اشعار لکھنے والے احتیاط کریں۔ ازہری صاحب کے متعلق اس طویل رفاقت سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ دوستوں کے ساتھ بڑے مخلص اور چھوٹوں پر شفیق اور بزرگوں سے عقیدت اور بڑوں کا لحاظ رکھتے تھے۔

رحمۃ اللہ علیہ
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری
مذہبی وسیاسی قائد

مبلغ اسلام علامہ سیّد سعادت علی قادری

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ، مجھے والدِ محترم مفتی سید مسعود علی قادری رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے ،بچپن سے تا دم، اکابر علماء کرام ومشائخ عظام کی محبت وشفقت اور صحبت کا شرف حاصل رہا ،۵۸ء میں جب میں ملتان سے کراچی منتقل ہوا تو ، تاج العلماء حضرت مفتی محمد عمر نعیمی رحمتہ اللہ علیہ،مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالسلام باندوی رحمتہ اللہ علیہ،اور حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقاتوں کا اعزاز حاصل ہوا ، یہ حضرات اس حقیر پر نہایت ہی مہربان رہے، جناح مسجد برنس روڈ میں، حضرت علامہ مفتی عبدالحفیظ رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض حاصل ہوتا رہا۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را،

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام حضرات کی یادیں میری زندگی کا بڑا سرمایہ ہیں، جب بھی ان کا خیال آ جاتا ہے، دل تڑپنے لگتا ہے، ان جیسے شفیق ومہربان بزرگ اب کہاں اور کس کو نصیب۔

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ سے میرا قریبی تعلق ۱۹۵۹ء سے ہوا، اس وقت میں دارالعلوم مظہریہ آرام باغ میں مدرس تھا اور قریب ہی دارالعلوم امجدیہ گاڑی کھاتہ میں حضرت علامہ سے ملاقات کے لئے تقریباً روزانہ ہی حاضر ہو جاتا تھا، اگر کسی دن حاضری کا موقع نہ مل پاتا تو عجیب سی بے چینی محسوس کرتا اور دوسرے دن جلد پہنچ جاتا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت کی شخصیت نہایت ہی پر کشش تھی، ان کی علمی و ادبی لیکن سادہ گفتگو نہایت پر اثر ہوا

کرتی تھی، گفتگو کا بڑا اور اہم حصہ وہ لطائف ہوا کرتے تھے جو موصوف نہایت ظرافت اور سنجیدگی سے سنایا کرتے تھے۔

۱۹۶۳ء سے جب میرا سیاسی شعور بیدار ہوا تو میں جمعیت علماء پاکستان کی اس مجلسِ عاملہ کا ایک رکن تھا، جس کے قائد مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا عبدالحامد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ تھے، اجلاس میں اکثر میری جگہ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کے برابر میں ہوتی تھی، یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ میری اور علامہ کی رائے اکثر ملتی جلتی ہوا کرتی تھی، خصوصاً میرے تنقیدی جملوں پر وہ مسکراتے اور بعد میں داد دیا کرتے تھے، جس سے رگِ تنقید میں مزید حرارت پیدا ہوتی تھی، ایک مرتبہ میں نے مجلس عاملہ میں کسی مسئلہ پر کچھ زیادہ ہی تنقید کردی جس پر بعض احباب خاصے سیخ پا ہوئے اور مجاہد ملت کے چہرے سے بھی ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے، اجلاس سے فارغ ہوکر حضرت علامہ فرمانے لگے، سید صاحب، جسے آپ چچا جان کہتے ہیں اس کی قیادت پر اتنی تنقید؟ میں نے عرض کیا حضرت میں دل کی گہرائی سے ان کا احترام کرتا ہوں لیکن تنظیمی امور باہمی مشاورت سے ہی طے ہونے چاہئیں، ورنہ ہمارے یہاں آنے جانے اور اس تکلف کی کیا ضرورت، فرمانے لگے، سید صاحب! ابھی آپ جوان ہیں، آپ کو یہ پتہ نہیں کہ ایک مجلس عاملہ تو واقعی موثر مشاورت کے لئے ہوتی ہے اور ایک مجلس عاملہ کے سامنے صرف خبریں سنائی جاتی ہیں، صرف اس لئے کہ قائد کا قد دراز ہو، میں فوراً بولا کہ حضرت صاحب کا قد تو پہلے ہی سے دراز ہے (مولانا بدایونی رحمتہ اللہ علیہ دراز قد خوبرو اور باوقار شخصیت کے حامل تھے) حضرت علامہ بہت ہنسے اور فرمایا آپ ضرور کوئی انقلاب برپا کریں گے، میں نے کہا دعا کیجئے، انقلاب اچھا ہو، اور اسی وقت سے میرے ذہن میں سنیوں کی ایک باقاعدہ تنظیم کا خیال پیدا ہوا، چند ہی دنوں میں یہ خیال عملی صورت اختیار کرگیا، سب سے پہلے میں نے اپنا تنظیمی پروگرام حضرت علامہ رحمتہ اللہ علیہ کو بتایا، آپ نے میری ہمت افزائی فرمائی، ہم دونوں کی دعوت پر دارالعلوم امجدیہ میں پہلا اجلاس ہوا۔ جماعتِ اہلسنّت کا وجود عمل میں آیا۔ اور حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ جماعت کے پہلے صدر منتخب ہوئے اور کامیاب ترین قائد ثابت ہوئے۔

فقیر راقم الحروف، جماعت کا ناظم اعلیٰ منتخب ہوا تھا اور جماعت کا آغاز کیا تھا، یعنی

جماعت چلانا نہیں بلکہ بنانا تھی، جبکہ میں صرف نام اور نعروں کی نہیں بلکہ ایک با قاعدہ جماعت کی تشکیل چاہتا تھا، جس کے لئے دیگر ضروری کاغذات کے علاوہ سب سے اہم کام ،دستور، کا مرتب کرنا تھا، جو میری ذمہ داری تھی، جس کے لئے میں نے اس وقت کی اکثر تنظیموں کے دساتیر کا مطالعہ کیا، اور الحمدللہ میں ایک اچھا دستور پیش کرنے اور اس کو مجلسِ مشاورت سے پاس کرانے میں کامیاب ہوا، جبکہ وقت کم تھا اور ہر کام انقلاب ہی کی صورت میں ہو رہا تھا، لیکن میں صدر جماعت کے مشورے کے بغیر کچھ کرنا نہیں چاہتا تھا اور کر بھی نہیں سکتا تھا، مشکل یہ تھی کہ اس وقت وسائل کی کمی تھی اور ٹیلیفون کی سہولت بھی آج کی طرح عام نہ تھی۔ لہٰذا مجھے روزانہ ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا، بلکہ کبھی دو مرتبہ بھی ہو جاتا اور جب بھی میں حاضر ہوا انہوں نے نہایت خلوص و محبت سے میرا خیر مقدم کیا اور اپنے قیمتی وقت کے کئی کئی گھنٹے مجھے دیئے خاص بات یہ کہ انہوں نے کبھی میری کسی بات پر حوصلہ شکنی نہ کی، ہاں اصلاح ضرور کرتے تھے جو ان کا حق تھا اور ان کی اصلاح میرے لئے بے حد مفید بھی ہوتی تھی۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور ان کی باتوں پر عمل بھی کیا۔ غالباً اسی لئے میں تنظیمی امور کی انجام دہی میں خاصا کامیاب رہا۔

ایک دن میں حضرت کی خدمت میں نہایت افسردہ اور دل برداشتہ حاضر ہوا، جس کے آثار غالباً میرے چہرے پر ظاہر تھے، دیکھتے ہی آپ نے فرمایا، ''ضرور آج کسی نے تیر چلا دیا ہے جو سید صاحب افسردہ نظر آ رہے ہیں''۔ میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا حضرت بحیثیت کارکن میں جماعت کی خدمت کرتا رہوں گا لیکن یہ ذمہ داری میرے بس کی نہیں اس وقت آپ نے جس انداز سے گفتگو فرمائی اس سے میں بے حد متاثر ہوا، اس کا ایک ایک لفظ مجھے آج تک یاد ہے۔ پہلے تو آپ سیخ پا ہوئے اور فرمانے لگے، ''جب آپ میں قوت برداشت نہیں تو یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی خواہ مخواہ ہمیں متحرک کیا جو کچھ ہو رہا تھا سب ٹھیک تھا''۔ میں تو یہ باتیں سن کر سہم ہی گیا، لیکن آپ کے ایک جملہ نے حالت بدل دی، فرمانے لگے، ''وہاں امرتیاں اور سموسے تو کھانے کو ملتے تھے (مولانا بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کی ہر محفل میں امرتیاں اور سموسے ضرور ہوتے تھے)۔ سید صاحب! ابھی آپ نوجوان ہین، آپ کا یہ پہلا تجربہ ہے، آپ کی عمر میں ہم تو صرف مدرسہ کی چار

دیواری میں محدود تھے، آپ کو ایک ذمہ داری ملی ہے، اس کی قدر کیجئے صبر وہمت سے کام لیجئے قوت برداشت پیدا کیجئے اور یاد رکھئے کہ تنقید مضرِ صحت نہیں، مفید صحت ہوتی ہے۔ اس سے کام میں آسانی اور سہولت پیدا ہوتی ہے۔ تنقید ہی تیز روی پیدا کرتی ہے، جس نے تنقید برداشت کر لی، وہی کامیاب قائد بن گیا۔ پھر فرمانے لگے ہماری تقریر کا آپ پر کچھ اثر ہوا یا نہیں...؟"

یقین جانئیے کہ آپ کی تقریر نے مجھ میں ایسی جان ڈالی ایسی قوت برداشت پیدا کی کہ آج تک زندگی کے ہر مرحلہ میں مجھے کامیابی نصیب ہوتی رہی ہے۔ تنقید کرنے والے خوب تیر چلاتے ہیں، لیکن کام میں مزید تیزی آتی ہے، سہولت کا احساس ہوتا ہے۔ آہ! آج نہ کوئی ایسی نصیحت کرنے والا رہا اور نہ ہی کوئی ایسی نصیحتوں کو قبول کرنے والا، نتیجہ ظاہر ہے کہ تنظیمی ڈھانچہ بکھرا پڑا ہے قوم انتشار و افتراق کا شکار ہے کسی قائد کے لئے ترس رہی ہے وسائل ہیں سہولتیں ہیں لیکن کوئی انہیں استعمال کرنے والا نہیں۔

دستور کے مطابق تین سال بعد قیادت میں تبدیلی آئی۔ اگر چہ بہت کوشش کی گئی کہ حضرت ہی قائد رہیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ، "نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیونکہ جماعت کا پہلا صدر ہوں، اور میں اپنے منصب سے چمٹے رہنے کی رسم قائم کرنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ اس سے غیروں کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ، ہمارے یہاں باصلاحیت افراد کا فقدان ہے، جو جماعت کی ایک بڑی کمزوری ہے۔ بتایئے اگر آج میری آنکھ بند ہو جاتی ہے، تو میں قبر سے صدارت کی ذمہ داریاں کیسے پوری کروں گا؟ اس روز آپ کی تقریر ایسی پر اثر تھی کہ حاضرین کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور دوسرے صدر کا انتخاب کرنا پڑا۔"

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں مجلس عاملہ، کارکنوں اور بالخصوص میرے بے حد اصرار پر حضرت علامہ نے حصہ لیا، لیکن شرط یہ طے پائی کہ مجھے ان کے ہر جلسہ میں شرکت کرنا ہوگی۔ میں نہایت پابندی کے ساتھ یہ شرط پوری کرتا رہا، چاہے مجھے دو بجے شب ملیر جانا پڑتا، لیکن بہرحال جلسہ میں شریک ہوتا اور تقریر کرتا، مزے کی بات یہ کہ حضرت صاحب، خود پہلی تقریر کر کے کسی دوسرے امیدوار کے جلسہ میں تشریف لے جاتے، جب میں نے آپ کے اس عمل پر اعتراض کیا، تو مسکراتے ہوئے فرمایا، "مجھے معلوم ہے یہاں آپ ضرور آئیں

گے، کیونکہ آپ سے ہرگز وعدہ خلافی کی توقع نہیں، میں کسی بھی کمزور امیدوار کی مدد کے لئے پہنچ جاتا ہوں، اس کا ثواب بھی آپ ہی کو پہنچا دیتا ہوں، بس آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنا کام جاری رکھیں۔'' ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا، ''دوستو! یہ فقیر تو مدرس ہے، سیاست اور پھر الیکشن سے میرا کیا تعلق، یہ تو سید صاحب کی حرکت ہے، جو مجھے ناکردہ گناہ کی سزا بھگتنا پڑ رہی ہے، لہٰذا اگر کچھ گڑ بڑ ہوجائے تو آپ سید صاحب ہی سے باز پرس کریں، اور ہاں ایک ضروری بات یہ کہ جب میں کامیاب ہو جاؤں تو آپ مبارکباد بھی انہی کو دیں۔ ہار بھی انہی کو پہنائیں اور پھول بھی انہی پر برسائیں۔'' اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ''بھائیو! آپ میری کامیابی کے لئے محنت بھی بہت کررہے ہیں، اور دعائیں بھی خوب کرتے ہوں گے، لیکن ایک بات میں واضح کردوں کہ اسباق کے بہت ناغہ ہورہے ہیں مجھے طلباء کی فکر زیادہ ہے، ہاں یہ سید صاحب موجود ہیں، آپ کی خدمت کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے، مجھے ضرورت ہوگی تو میں بھی انہی سے کام لوں گا، اور آپ سے بھی کہتا ہوں کہ بوقت ضرورت انہی کی طرف رجوع کریں، مجھے یقین ہے کہ یہ ہمیں کبھی مایوس نہ کریں گے، سید ہیں، رحم دل ہیں، اچھے آدمی ہیں، انتظامیہ بھی انہیں خوب پہچانتی ہے، یہ آپ کا ہر جائز اور ممکن تعاون کریں گے'' اور تقریر ختم، میں دیکھتا اور مسکراتا ہی رہ گیا۔ علامہ صاحب کا مجھ پر اس قدر اعتماد تھا، جس پر میں شکریہ کے سوا اور کیا کہہ سکتا تھا۔ حضرت اپنی تقاریر میں، کمیونزم اور سوشلزم کو بڑی شدت کے ساتھ رد فرماتے تھے، ''ایک موقع پر آپ فرماتے، کمیونسٹ روٹی کپڑا اور مکان کی بات کرتے ہیں، بھکاریوں کو ان ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے انہیں یہی مانگنا چاہئے جبکہ یہ تو جانوروں کو بھی نصیب ہے انہیں پیٹ بھرنے کے لئے انسانوں سے زیادہ کھانا مل جاتا ہے۔ جس قدرتی لباس میں وہ ملبوس ہیں وہ نہ کبھی پرانا ہوتا ہے، نہ پھٹتا ہے، نہ میلا ہوتا ہے۔ ہمارے اس لباس سے بہت بہتر ہے ان کے رہنے سہنے کی جگہ بھی ہمارے محلات سے بہتر ہوتی ہے انسان اشرف المخلوقات ہے اگر وہ روٹی کپڑے اور مکان کے لالچ میں ایمان سے محروم ہوجائے تو جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ ہمیں بھکاری بن کر ذلیل نہیں ہونا چاہیے، ہمیں صرف اور صرف سیدالانبیاء والمرسلین ﷺ کی غلامی چاہئے، کہ ان کی غلامی ہی دنیا و

آخرت کی تاجداری اور کامیابی ہے اور یہی ہمارے ملک کی آزادی کی بقاء کی ضمانت ہے، پس دوستو ہم الیکشن کے اس مرحلہ سے صرف اس لئے گذر رہے ہیں، کہ ملک میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کا شرف حاصل کرسکیں، اور اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا سچا غلام ثابت کرکے دنیا میں عزت، اور آخرت میں نجات پاسکیں۔"

بہرحال دوران الیکشن حضرت علامہ نے بڑی ہی محنت اور جانفشانی سے کام لیا۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوتی رہی، کہ وہ الیکشن کی شدید مصروفیت کے باوجود حسب معمول صبح سے 12 بجے تک اسباق پڑھاتے تھے، ان کی سیاسی تقاریر نے ایسا سکہ بٹھا دیا تھا، کہ علماء کو میدان سیاست میں نابلد سمجھنے والوں کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ یہ حضرت مذہب کی طرح سیاست پر پوری طرح عبور رکھتے ہیں، اور نہ صرف اپنے ملک بلکہ دنیا بھر کے حالات سے دیگر سیاستدانوں کی طرح بخوبی واقف اور باخبر رہتے ہیں۔ یہ مسائل کو جانتے بھی ہیں اور ان کا حل بھی پیش کرسکتے ہیں۔ حضرت علامہ بار بار اپنی تقاریر میں فرمایا کرتے تھے کہ "سیاست ہمارے لئے کوئی اجنبی یا انوکھا شعبہ نہیں، یہ تو دین ہی کا ایک شعبہ ہے، جس کی طرف ہم نے عملی توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن اس اہم شعبہء زندگی کے جو قائد بنے تھے وہ دین سے بیزاری اور دوری کے باعث ناکام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب ہمیں اس ذمہ داری کو بھی پورا کرنا ہوگا اور دستور ساز اسمبلی میں پہنچ کر نظام مصطفیٰ ﷺ کا درس دینا ہوگا، اُس کی عظمتوں اور برکتوں کو بتانا اور ثابت کرنا ہوگا، تاکہ ہمارے قائدین دین کی طرف واپس آئیں اپنی اصلاح کریں اور قوم کی صحیح قیادت کی ذمہ داری پوری کریں۔"

مجھے افسوس ہے کہ بیرون ملک چلے جانے کے سبب، میں کبھی حضرت کو اسمبلی میں گرجتے اور برستے نہ دیکھ سکا، نہ سن سکا۔ تاہم دوستوں نے بتایا کہ وہاں بھی حضرت کی تقاریر نہایت ہی موثر ہوتی تھیں، وہ جس بیباکی سے تعمیری تنقید کرتے اور مسائل کا حل پیش کرتے تھے، وہ انہی کا حصہ تھا۔ خصوصاً مسئلہ ختم نبوت ﷺ پر ان کی تقاریر نے اسمبلی میں تہلکہ مچادیا تھا۔ انجام کار، جماعت اہلسنت کا دیرینہ مطالبہ پورا ہوا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، جمعہ کی تعطیل کا بل پاس ہوا۔ علاوہ ازیں، آئین کی متعدد شقیں آپ ہی کی تجاویز کے مطابق منظور کی گئیں۔ اہم ترین بات یہ کہ ہمیشہ کے لئے یہ تصوّر ختم ہوگیا کہ علماء صرف

مدرسوں میں پڑھانااور مسجدوں میں امامت کرنا ہی جانتے ہیں، معاشرے کے مسائل اور حکومتی سیاست سے ان کا کوئی سروکار نہیں۔ یہ حضرت علامہ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، کہ آج علماء کوشعبہء سیاست میں بھی اہمیت حاصل ہے "اَلْحَمدُلِلّٰہ"۔

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور کی مجلس شوریٰ کے آپ ممبر رہے۔ آپ نے اسے وقت کی ضرورت قرار دیا۔ آپ فرماتے کہ'' جنرل صاحب کو مذہبی اصلاحات کرنے کا بہت شوق ہے، اگر ہم لوگوں نے اُن کی اصلاح نہ کی تو خطرہ ہے کہ کہیں موصوف اسلامی نظام کا حلیہ ہی نہ بگاڑ دیں، اور اگرایسا ہوگیا تو پھر کام بہت دشوار ہوجائے گا۔'' لیکن افسوس کہ بعض شدت پسند نام نہاد قائدین نے، حضرت کے اس حکیمانہ اقدام کی مخالفت کی ۔تقریروں اور اخباری بیانات کے ذریعہ آپ پر رکیک حملے کئے گئے، بیہودہ گوئی تک نوبت آئی لیکن اس سے عوام میں افتراق وانتشار کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، جمعیت کی ساکھ کو شدید دھچکا لگا اورسیاست میں فرقہ واریت نے جنم لیا۔ جس کے اثرات آج تک ہیں لیکن علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ پر ہم نے کوئی اثر نہ دیکھا وہ نہایت صبر وتحمل سے اپنا کام کرتے رہے کبھی ان سے کسی بات پر تبصرہ کے لئے کہا بھی گیا تو نہایت پُرمزاح انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا،'' یہ ہمارا مقدر ہے کہ اللہ نے ہمیں سیاسی بصیرت بھی عطا فرمائی اور شعور بھی دیا، جبکہ لوگ اس کی ابجد سے بھی واقف نہیں، اور حادثہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بین الاقوامی لیڈر اور سیاست داں کہتے نہیں تھکتے، چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔'' یہ ہم ہیں اور بس''، کا دعویٰ اپنی ذلت وخواری کی دعوت دینا اور جہالت کا ثبوت فراہم کرنے کے سوا کچھ نہیں، لہٰذا ہمیں صرف اپنے مقصد پر نظر رکھنی چاہئے اور اس کے حصول کے لئے محنت ومشقت اور دیانت سے کام کرتے رہنا چاہئے۔ فیصلہ فرمانے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔''

وقت نے ثابت کر دیا کہ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے طفیل حضرت علامہ کو جو بصیرت عطا فرمائی تھی آج اس کا فقدان ہے۔ وہ مشاورتی کونسل کے تقریباً ہر اجلاس میں حکومت کے فیصلوں پر تنقید کرتے سنے گئے، جبکہ انہوں نے حکومت کے اچھے فیصلوں کو سراہا۔ لیکن ان کی حمایت ومخالفت دونوں ہی سے مخالفین میں بے چینی پھیل رہی تھی، جس کا اصل سبب حضرت علامہ کی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کا موثر ہونا، اور عوام میں ان کی

مقبولیت میں دن بدن اضافہ تھا وہ اپنی اس بلندی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ہمیشہ باہمی انتشار پر اظہارِ افسوس کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا، ''سید صاحب! کاش... ہمارے مخالفین حکمت و مصلحت سے کام لیتے اور ہمارے ساتھ تعاون کرتے تو نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کیلئے اس دور (جنرل ضیاء کے دور) سے بہتر کوئی وقت نہیں تھا۔ مجھے مستقبل تاریک ہی نظر آتا ہے، اللہ کرے ایسا نہ ہو، حقیقت یہی ہے کہ حضرت علامہ کے ارشاد کے مطابق موزوں ترین وقت گذر گیا، اب نظام مصطفیٰ ﷺ کی منزل مزید دور ہوگئی کہ جو لوگ اس کے پرچم کو حکومت کے ایوانوں پر لہرانے کے دعوے دار تھے، اب وہ خود پاکستان دشمن تنظیموں کی گود میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ ان سے ہاتھ ملا کر اتحاد کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔ نظام مصطفیٰ ﷺ کا نعرہ اب مدھم ہوگیا ہے۔ اب تو صرف اور صرف مقصد حکومت وقت کی مخالفت رہ گیا ہے، اے کاش...! ایسا نہ ہوتا...! یہ حضرات غیروں کی سازش کا شکار نہ ہوتے ...! اپنی قوت کو بڑھانے اور اپنی جماعت کو مستحکم کرنے کے لئے اپنوں سے اتحاد کرتے۔ اپنوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھتے، تو ہم ماضی کرطرح ملک کی ایک بڑی قوت ہوتے۔ باوقار و بارعب ہوتے۔ مستقبل ہمارا ہوتا۔ ذرا سوچئے تو سہی ملک میں جس قوم کو اکثریت حاصل ہو، اقلیتی تنظیموں سے اس کا اِتحاد کتنا بڑا سانحہ ہے۔ اللہ ہی رحم فرمائے۔ آمین۔

بہر حال ہم اب محروم ہیں ایک عظیم محدث، بہترین پارلیمنٹرین اور منفرد اسکالر سے۔ حضرت علامہ نہایت ہی خوش اخلاق، خوش مزاج، شخصیت کے مالک تھے۔ شرافت و ظرافت کا پیکر تھے، مزاح ان کی زندگی کی اہم خصوصیت تھا، ان کی محفل کے شرکاء ان کی پُر مزاح گفتگو سن کر ہر طرح کے غم سے آزاد نظر آنے لگتے تھے۔ سادگی و قناعت پسندی ان کا شعار تھے۔ وہ اپنے طلباء و کارکنوں سے نہایت محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ احباب کے ساتھ بے تکلفی کا رویہ برتتے تھے۔ ان سے اپنے آمدن و خرچ اور خانگی باتوں تک کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میں ان کے پاس حاضر تھا، ایک طالب علم بھی آ کر بیٹھ گیا، آپ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے فرمایا ''بھائی تم اتنے میلے کپڑے کیوں پسند کرتے ہو''۔ اس نے

شرمندہ ہوکر کہا، استاد جی جمعہ کو وقت نہیں ملا، کپڑے دھو نہ سکا۔ فرمایا ''عجب بات ہے کیا تمہارے پاس دوسرے کپڑے نہیں؟'' وہ خاموش رہا، میری طرف متوجہ ہوکر بولے،'' سید صاحب! آپ دیکھ رہے ہیں ان کے کپڑوں کا کیا حال ہے۔'' پھر کچھ پیسے جیب سے نکالے، اور فرمایا ''جاؤ دوسرے کپڑے خرید کر پہنو اور انہیں دھولو بیٹا! صاف ستھرے رہا کرو کہ اللہ اور اس کے حبیب ﷺ صفائی پسند فرماتے ہیں۔''

ایک کارکن نے آپ سے کچھ تنگی کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا'' انسان کے لئے سب سے اہم خوشحالی ہے، پھر دوسرے کام۔ جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ جناب ساری رات جلسوں میں نعرے بازی کرتے ہیں، اور دن بھر سوتے ہیں۔ تنگی نہیں ہوگی تو کیا ہوگا۔ اور آپ کے اہل وعیال ہمیں برا بھلا کہتے ہوں گے، کہ ہمارے الیکشن کی وجہ سے انہیں یہ پریشانی ہو رہی ہے۔ پھر کچھ پیسے دیتے ہوئے فرمایا، جاؤ ایک ہفتہ کا سودا خرید کر گھر لے جاؤ، اور اپنے آپ کو ٹھیک کرلو، ہم تمہارے لئے نوکری تلاش کریں گے۔'' ان کے جانے کے بعد آپ بہت دیر تک فکر مند نظر آتے رہے میں نے اطمینان دلایا کہ حضرت انشاءاللہ کچھ انتظام ہو جائے گا۔

آپ کو ہمیشہ فکر رہا کرتی تھی کہ، کارکن جب دن رات ہمارا کام کرتے رہتے ہیں، تو ان کی ضروریات کیسے پوری ہوتی ہونگی۔ اگر وہ معاشی بدحالی کا شکار ہوں گے تو ان کے اہل خانہ پر کیا بیتتی ہوگی۔ وہ بار بار مجھ سے کہا کرتے تھے، کہ سید صاحب کوئی ایسا ادارہ بھی بنائیے جس میں کارکنوں کی کھپت ہو سکے۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں نے کارکنوں کے حصول معاش کے لئے کیا بھی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ حضرت علامہ عبدالمصطفےٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے قریب مدفون حضرت علامہ وقارالدین رحمۃ اللہ علیہ کی قبروں کو پرنور رکھے (ان کی یادیں اور باتیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں) اللہ ہم پر ان کے فیوض و برکات جاری کرے آمین۔

بجاہ رحمتہ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ اَجۡمعین۔

﴿﴾﴿﴾﴿﴾

رحمتہ اللہ علیہ
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

انٹرویو: علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

انٹرویونگار: محمد ندیم ہارون، محمد سلیم ہاشم، محمد رئیس قادری

سوال: اُستاد اور شاگرد کے حوالے سے اُن کے حالاتِ زندگی کے بارے میں آپ جو جانتے ہوں ارشاد فرمائیے؟

جواب: علامہ ازہری صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کے چند گوشے یہ ہیں۔ یہ تو دنیا جانتی ہے کہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صدر الشریعہ جناب علامہ امجد علی کے فرزند ہیں۔ علامہ ازہری صاحب فرماتے تھے کہ میری ولادت بریلی شریف میں ہوئی۔ یہ وہی دور تھا جس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی حیات تھے۔ میری ولادت کے کچھ عرصے بعد میرے والد ماجد مجھے گود میں اُٹھا کر لے گئے اور لے جا کر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی گود میں دیا۔ پھر والد صاحب نے اعلیٰ حضرت سے عرض کی حضور اس بچے کا نام رکھنا ہے۔ تو اعلیٰ حضرت امام اہلسنت نے کہا کہ مولانا امجد علی صاحب میں آپ کے فرزند کو اپنا نام دیتا ہوں اور یہ کہتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے علامہ ازہری کا نام عبدالمصطفیٰ تجویز فرمایا۔ چونکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے نام کیساتھ ''عبدالمصطفیٰ'' لکھا کرتے تھے۔ مجھے یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ علامہ ازہری صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اعلیٰ حضرت کو دیکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا جب وصال ہوا تو علامہ ازہری کی عمر آٹھ برس تھی۔ آپ نے ساری تعلیم اپنے والد ماجد و دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔ درس نظامی سے فراغت کے بعد علامہ امجد علی صاحب کی کوشش یہ رہی کہ علامہ ازہری صاحب کو مصر بھیجا جائے چنانچہ یہاں سے فراغت کے بعد آپ کے والد ماجد نے آپ کو مصر بھیجا۔ ایک عرصے تک آپ مصر میں رہے اور پھر علامہ ازہری صاحب ہندوستان

واپس آئے۔ خود صدر الشریعہ آپ کو اسٹیشن لینے گئے اور بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ہی سے علامہ ازہری صاحب کی زندگی کے دوسرے گوشے شروع ہوئے۔ ایک عرصے تک ہندوستان میں رہے۔ پھر پاکستان تشریف لے آئے۔

سوال: فراغت کے بعد علامہ ازہری نے کہاں کہاں حدیث کا درس دیا اور کن کن مدارس میں آپ رہے؟

جواب: علامہ ازہری صاحب سے میں نے سنا کہ پاکستان آنے کے بعد سب سے پہلے جھنگ تشریف لے گئے۔ جھنگ میں ایک بہت بڑا مدرسہ جامعہ محمدی شریف ہے۔ جس کے مہتمم علامہ مولانا محمد ذاکر صاحب تھے۔ وہ علامہ ازہری صاحب کیساتھ 1970ء کی اسمبلی میں ایم این اے (MNA) بھی رہے۔ علامہ ازہری صاحب فرماتے تھے کہ ہندوستان سے سب سے پہلے ہم جھنگ آئے میرے ساتھ دو بچے اور بھی آئے تھے۔ میں نے یہاں مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا۔ جب میں نے پوچھا کہ حضرت وہ دو بچے کون تھے؟ تو علامہ ازہری صاحب نے فرمایا کہ ایک مولانا سید خلیل اشرف تھے اور ایک مولانا مفتی غلام یاسین امجدی صاحب۔ مولانا سید خلیل اشرف صاحب، چند سال ہوئے وصال فرما گئے بہت اچھے مدرس تھے۔ جناب مفتی غلام یاسین امجدی صاحب جو ابھی بھی حیات ہیں۔ سعود آباد میں دارالعلوم قادریہ رضویہ چلا رہے ہیں۔ علامہ ازہری صاحب کافی عرصے تک تو جھنگ میں رہے پھر اس کے بعد آپ ہارون آباد تشریف لے گئے۔ ہارون آباد میں بھی آپ درس و تدریس سے وابستہ رہے اور جب کراچی میں دارالعلوم امجدیہ قائم ہوگیا تو علامہ مولانا مفتی ظفر علی نعمانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو کراچی بلالیا اور پھر آپ کراچی میں ہی رہے۔ جب علاج کے سلسلے میں آپ پنجاب گئے' وہیں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی تدفین کراچی میں ہوئی۔

سوال: علامہ ازہری صاحب نے اپنی عمر کا کتنا حصہ درسِ حدیث میں گزارا؟

جواب: اُنھوں نے اپنی عمر کے تہائی حصہ سے بھی زیادہ حصہ درس و تدریس میں گزارا۔ بس آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کو درس و تدریس میں بخاری شریف کا درس دیتے ہوئے پچاس سال سے بھی زائد عرصہ ہوگیا تھا۔

سوال: حضرت کے پڑھانے کا انداز کیسا تھا؟

جواب: پچاس سال تک جس شخص نے بخاری شریف پڑھائی ہو اس کے پڑھانے کے انداز کا کیا کہنا۔ بخاری شریف پڑھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ صرف بخاری شریف ہی نہیں بلکہ صحاح ستہ (احادیث کے چھ مشہور مجموعے) پڑھانے کیلئے آدمی کو بڑی جاں فشانی سے کام لینا پڑتا ہے۔ کافی حدیثوں کی شرحیں پڑھنی پڑتی ہیں اور بغیر دیکھے بغیر مطالعہ کئے چونکہ علامہ ازہری صاحب پڑھاتے نہیں تھے۔ اس اعتبار سے ان کا علم وسیع تھا اور تجربہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے طلبہ کے چہرے سے یہ جان لیا کرتے تھے کہ حدیث کا کون سا لفظ اُن کی سمجھ میں نہیں آیا اور کس لفظ کی اُنہیں تشریح کرنی ہے۔ دورانِ تدریس آپ رُک کر اپنے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس متن کا کیا معانی ہوا۔ واقعتاً جب وہ متن پڑھا جاتا تو اس متن کے پڑھنے میں یا اس متن کے مفہوم کو سمجھنے میں کوئی غلطی یا خامی ہوتی تو آپ شاگردوں سے فرماتے کہ دیکھا یہ بات تم نے مجھ سے پوچھی نہیں لیکن میں نے رک کر تم سے پوچھا۔ تو یہ اُن کا تجربہ تھا پڑھانے کا کہ وہ بچوں کے ذہنوں سے سمجھ لیا کرتے تھے کہ کونسی بات اُن کی سمجھ میں آئی اور کونسی نہیں آئی۔ علامہ ازہری صاحب کے پڑھانے کا اسلوب اور طریقہ بڑا منفرد، اچھوتا اور پراثر تھا۔ اس معاملے میں اپنی ذات میں وہ ایک مسلّم حیثیت کے مالک تھے۔ اُن کی رحلت سے نہ صرف ہم بلکہ پورا عالمِ اسلام ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگیا۔

سوال: حضرت کی طرزِ زندگی بہت سادہ تھی۔ اس حوالے سے کچھ ارشاد فرمایئے؟

جواب: سادگی کا جہاں تک تعلق ہے تو واقعی میں نے دیکھا کہ وہ نہایت سادہ آدمی تھے۔ سادہ سا شلوار کُرتا اور ایک دو پلّی ٹوپی اور ایک سفید رومال اپنے کندھے پر رکھتے۔ موسم کے اعتبار سے کبھی کبھی شیروانی کا بھی استعمال فرماتے۔ ایک عالم، محدث اور ایک پارلیمنٹرین ہونے کے باوجود وہ اتنی سادہ طبیعت کے مالک تھے کہ اُن کی علمی خدمات اور اُن کی قومی خدمات کا علم رکھنے والا شخص بھی اگر اُن سے پہلے نہ ملا ہو تو وہ پہلی ملاقات میں اُن کی سادگی دیکھ کر اُنہیں نہیں پہچان سکتا تھا کہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری یہی ہیں۔

آپ روزانہ صبح اپنی رہائشگاہ واقع سعود آباد ملیر سے درسِ حدیث وتفسیر دینے کیلئے

عالمگیر روڈ پر واقع دارالعلوم امجدیہ عام پبلک بس میں بیٹھ کر تشریف لاتے اور پھر اپنے فرائضِ منصبی سے فارغ ہوکر اسی طرح واپس گھر جایا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بس میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تو آپ یہ طویل فاصلہ کھڑے ہو کر گزارتے تھے۔ 1970ء میں، میں لانڈھی کورنگی میں رہتا تھا۔ علامہ صاحب نے لانڈھی کورنگی کے حلقہ سے MNA کا الیکشن لڑا۔ اس وقت اس حلقہ سے صوبائی اسمبلی کا الیکشن علامہ محمد حسن حقانی صاحب نے لڑا اور جیتا تھا۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے ان حضرات کے الیکشن کا کام بھرپور انداز میں کیا۔ الیکشن میں جیتنے کے بعد جب آپ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے، تب بھی آپ نے کوئی گاڑی وغیرہ کی سہولت حاصل نہیں کی۔ بلکہ قوم کی نمائندگی کرنے کیلئے بس کے ذریعے آتے جاتے تھے۔

ایک قصہ جو علامہ ازہری صاحب نے مجھے سنایا کہ ''جب 1970ء کی اسمبلی میں اختلافات ہوئے تو بھٹو نے یہ کہا کہ ہم مشرقی پاکستان میں اسمبلی کا اجلاس نہیں ہونے دیں گے اور نہ ہی کسی کو وہاں جانے دیں گے۔ اس مسئلہ پر شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کیلئے جن پارلیمنٹرین پر مشتمل وفد نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ اس میں علامہ شاہ احمد نورانی کیساتھ میں بھی شامل تھا۔ مذاکرات سے واپسی پر ایک دن بس میں کھڑا ڈنڈا پکڑے جارہا تھا جیسا کہ ہمارے یہاں بسوں میں رواج ہے کہ لوگ مختلف سیاسی معاملات پر زور شور کیساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہیں اور مختلف استفسارات اور جوابات کیساتھ اپنی رائے کا اظہار بھی کرتے ہیں ۔ چنانچہ حسبِ دستور بس میں سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے بڑے زور کیساتھ کہا کہ مولوی لوگ تو شیخ مجیب کے ہاتھ پر بک گئے ہیں۔ غرض کہ اُن صاحب نے علامہ شاہ احمد نورانی کے متعلق کئی سخت کلمات ادا کیے۔ میں بڑی دیر خاموشی سے اُن کی لاف گزاف سنتا رہا۔ جب برداشت نہیں ہوا تو میں نے اُس شخص کو مخاطب کر کے کہا کہ کیوں جھوٹ بول رہے ہو۔ مولانا شاہ احمد نورانی صاحب جب مجیب الرحمٰن سے ملاقات کررہے تھے تو میں اُن کیساتھ تھا۔ یہ سن کر بس میں موجود تقریباً سب لوگ میری طرف متوجہ ہوگئے کہ یہ کون شخص ہے؟ کہ جب مجیب الرحمٰن کیساتھ ایک ہائی لیول مذاکرات مشرقی پاکستان میں ہورہے تھے تو یہ صاحب بھی اس میں شامل تھے۔ سب متعجب تھے اور

کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنے سادہ لباس میں بس کا ڈنڈا پکڑے کھڑا شخص اس ہائی لیول مذاکرات میں شامل تھا۔ اس پر کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کون ہیں؟ تب میں نے اُنہیں بتایا کہ مجھے عبدالمصطفیٰ ازہری کہتے ہیں اور میں ممبر قومی اسمبلی ہوں"۔

میں خود بھی علامہ صاحب کیساتھ اسمبلی کا رکن رہا ہوں۔ اس لئے میں بڑے وثوق کیساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ایک طویل عرصہ اسمبلیوں میں گذارنے اور تقریباً چار سال مجلسِ شوریٰ کے رکن رہنے کے باوجود حضرت نے نہ تو کبھی اپنی ذات یا اپنی اولاد کیلئے کوئی مراعات حاصل کیں اور نہ اپنی سادگی اور اپنی روش بدلی۔

سوال: حضرت کے برادران کے حوالے سے کچھ ارشاد فرمائیے۔

جواب: حضرت کے برادران تو کئی تھے۔ ان کے جو بڑے بھائی تھے اُن کا نام شمس الھدیٰ تھا۔ وہ بہت بڑے عالم تھے مگر اُن کا وصال جوانی میں ہی ہوگیا۔ حضرت صدرالشریعہ کو اُن کے وصال کا بہت افسوس تھا۔ اُن کے بعد علامہ ازہری صاحب ہی سب سے بڑے بھائی تھے۔ میں جن حضرات کو جانتا ہوں اُن میں ایک بھائی مولانا ثناء المصطفیٰ صاحب جو یہاں تشریف لائے تھے اور اُنہوں نے ایک سال تک دورۂ حدیث بھی پڑھایا۔ علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی صاحب کو بھی میں جانتا ہوں، جن کا شمار ہندوستان کے چند بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ اور حدیث کے معاملے میں اُن کی روانی اور حدیث کے پڑھانے کا انداز بڑا منفرد ہے۔ دوسرے جتنے احادیث پڑھاتے ہیں، اُن پر ان کی سبقت کا یہ عالم ہے کہ اُنہیں محدثِ کبیر کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اُن کا میرے ساتھ سفر، لندن میں بھی رہا اور امریکہ میں بھی ہم نے کئی سفر ساتھ کئے۔ جس میں علامہ مولانا مفتی اختر رضا خاں صاحب بھی موجود تھے۔ اور ساتھ ساتھ تقریریں بھی کیں تو ہم نے محدثِ کبیر کی تقریر کا انداز بھی دیکھا کہ بہت اچھے طریقے سے اُن کو حدیث کے متن پر گرفت حاصل ہے اور برجستہ کئی کئی حدیثیں جلسوں میں اپنے عربی متن کیساتھ سناتے ہیں۔ علامہ ازہری صاحب کے ایک اور بھائی سے بھی، میں واقف ہوں وہ نوجوان تھے۔ کراچی آئے تو اُن سے بھی میری واقفیت رہی۔ میں اُن کو ساتھ لے کر گھومتا رہا اور چند کتاب گھروں میں بھی ہم گئے۔ میں بریلی شریف جب گیا تو بھی، میں اُن سے ملا۔ ایک بھائی کراچی والے رضاء المصطفیٰ صاحب جو

نیو میمن مسجد میں خطیب ہیں اُن کو تو سب ہی جانتے ہیں۔ میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جتنے بھی بھائی اُن کے رہے اور ہیں وہ سب کے سب ذی علم ہیں اور سب کے سب شیخ الحدیث ہیں جیسا کہ میرے علم میں ہے بلکہ اُن کی اولاد جو ہیں وہ بھی عالم ہیں۔ جس طرح علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کے جو صاحبزادے ہیں وہ بھی عالم ہیں۔

سوال: حضرت کے تلامذہ میں سے معروف جو علماء ہیں اُن کے بارے میں ارشاد فرمائیے۔

جواب: حضرت کے تلامذہ بے شمار ہیں۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا مفتی محمد حسین صاحب سکھر والے۔ یہ بھی علامہ ازہری صاحب کے شاگرد ہیں۔ حضرت مولانا محمد حسن حقانی صاحب، یہ بھی علامہ ازہری صاحب کے شاگرد ہیں۔ مفتی محمد غلام یاسین صاحب۔ علامہ عبدالعزیز حنفی صاحب جو اس وقت مفتی ہیں اور حضرت مولانا مختار قادری وہ بھی علامہ صاحب کے شاگرد ہیں۔ مفتی عبدالسبحان قادری صاحب، غالباً علامہ افتخار احمد امجدی صاحب، مولانا محمد اسماعیل شیخ الحدیث بھی علامہ ازہری صاحب کے شاگردوں میں سے رہے۔ اُن کے بہت سے معروف شاگرد ہیں جو برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

سوال: حضرت نے قرآنِ مجید کی تفسیر بھی فرمائی تھی اس بارے میں ارشاد فرمائیے ؟

جواب: علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ستائیس پاروں کی تفسیر لکھی جس میں سے صرف پانچ پارے چھپے ہیں جو تفسیرِ ازھری کے نام سے ہیں۔ وہ پانچ پارے میرے پاس محفوظ ہیں اور اس کے بعد علامہ ازہری صاحب کی لکھی ہوئی جن پاروں کی تفسیر تھی البتہ اُن کے بعد والے جو حضرات تھے وہ اُن کو محفوظ نہیں رکھ سکے۔

سوال: چونکہ آپ بھی حضرت کیساتھ اسمبلی میں رہے تو اسمبلی کے حوالے سے فرمائیے کہ آپ نے اُن کو کیسا پایا؟

جواب: اُنہوں نے اسمبلی کا دور بہت سادگی میں گزارا۔ 1985ء میں جب اسمبلی وجود میں آئی تو اسٹیٹ بینک کی ایک عمارت میں اسمبلی کا اجلاس ہوتا تھا اور وہ عمارت ہمارے گورنمنٹ ہوسٹل سے بہت زیادہ قریب تو نہیں تھی لیکن اتنا فاصلہ تھا کہ ہم پیدل چلے جایا کرتے تھے۔ میں، علامہ ازہری صاحب اور محمد عثمان خاں نوری ہم لوگ نکل کر اکثر پیدل وہاں جاتے اور اکثر تو میں اور علامہ ازہری صاحب ہوتے۔ کوئی ایم این اے ہمارے

سامنے سے گزرتا اور ہمیں اسمبلی چھوڑ دیتا ورنہ ہم عموماً پیدل جاتے تھے۔ کبھی ازہری صاحب کو کوئی تھکان محسوس ہوتی تو ہم ٹیکسی میں چلے جاتے ورنہ ہم پیدل ہی سفر کرتے تھے۔ کچھ عرصہ ایسا بھی ہوا کہ گورنمنٹ نے گاڑیاں مہیا کیں، جو ہمیں ہاسٹل سے لے جاتیں اور چھوڑ جاتیں۔

اسمبلی میں علامہ ازہری کا خاصہ ورک ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے 1985ء کی اسمبلی سے زیادہ خدمات 1970ء کی اسمبلی میں انجام دیں۔ خاص بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ جب یہ مسئلہ آیا کہ آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کی جائے تب لوگ اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ بھئی مسلمان سب ہیں مسلمان کی تعریف کا کیا مسئلہ' تو مسلمان کی تعریف آئین میں شامل کرائی گئی اور اس میں علامہ ازہری صاحب کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ جب مسلمان کی تعریف کی بات آئی تو کوثر نیازی جو علماء کے اختلاف کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ چونکہ وہ جماعتِ اسلامی میں رہ چکے تھے اور جانتے تھے کہ علماء اہلسنت اور علماء دیوبند میں کس قدر اختلاف ہیں۔ کوثر نیازی نے یہ چیلنج کیا کہ آپ مسلمان کی تعریف تو آئین میں شامل کرانا چاہتے ہیں لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ تمام علماء مسلمان کی کوئی مشترکہ تعریف بیان نہیں کرسکتے۔ علامہ ازہری صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے یہ چیلنج ہم قبول کرتے ہیں اور آپ کو ہم تھوڑی ہی دیر میں مسلمان کی متفقہ تعریف جو ہے وہ لکھ کر آپ کو دیتے ہیں۔ علامہ ازہری صاحب نے مسلمان کی ایک جامع تعریف لکھی اور اس میں بطورِ خاص یہ جملہ بھی تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ مسلمان وہ ہے جو کہ حضور ﷺ کے ختمِ نبوت پر بھی غیر مشروط ایمان رکھتا ہو۔ یہ تعریف لکھنے کے بعد آپ نے مفتی محمود اور تمام علمائے دیوبند جو اس وقت اسمبلی میں تھے اُن سے بھی سائن لئے۔ خود بھی سائن کئے اور مولانا محمد ذاکر اور مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا سید محمد علی رضوی سے بھی سائن لئے۔ تو اس طریقے سے شائد تھوڑی ہی دیر میں مسلمان کی تعریف لکھ کر اور سب سے سائن کرواکر کوثر نیازی کے ہاتھ میں دے دی کہ یہ ہے مسلمان کی تعریف۔ ظاہر ہے کہ کوثر نیازی کیلئے ایک حادثہ تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ آپس میں خوب لڑیں گے اور مسلمان کی تعریف نہیں کر پائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان کی یہ تعریف آئین میں شامل کرانے

میں علامہ ازہری صاحب کا ہاتھ تو ہے لیکن یہی تعریف قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کی بنیاد بنی۔ یہ علامہ ازہری صاحب کا اس اسمبلی میں ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اور 1985ء کی اسمبلی میں' میں بھی شامل تھا اور علامہ ازہری صاحب بھی۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی گستاخی پر سزائے موت کا جو قانون پاس ہوا ہے (295/C) اس میں بھی علامہ ازہری صاحب کا بہت بڑا کردار ہے اور ہم بھی اُن کیساتھ تھے۔ حنیف طیب صاحب' عثمان نوری صاحب' بیگم قمر النساء قمر اور ہمارے سیالکوٹ کے ایک رہنماء تھے پروفیسر محمد احمد صاحب۔ اس طریقے سے علامہ ازہری صاحب کی اسمبلی کی جو خدمات ہیں وہ بھی بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ مختصر وقت میں یا مختصر اوراق میں نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ ازہری اسمبلی میں بروقت بولتے تھے اور جو بات کہتے تھے بڑی معقول کہتے تھے۔ اس لئے اسمبلی میں بھی اُن کو ایک وقار حاصل تھا اور سب لوگ اُن کی عزت بھی کرتے تھے۔

المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی

المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی طبی اور سماجی شعبے میں گزشتہ 24 سالوں سے مصروف عمل ہے۔ ایک مستند اور معتبر نام ہے۔ کراچی میں اس NGO کو مورخہ 17 نومبر 1983ء کو رجسٹریشن اینڈ کنٹرول آرڈیننس 1961ء سوشل ویلفیئر کے تحت رجسٹرڈ کر دیا گیا ہے۔

اب الحمدللہ پاکستان میں اس کا دائرہ عمل اسلام آباد، لاہور، فیصل آباد، ملتان، وزیرآباد، شیخوپورہ، راولپنڈی، چکوال، شہداد پور، سانگھڑ، جیکب آباد، گھوٹکی، پشاور، کوئٹہ، بیلہ، بالاکوٹ، مظفر آباد، کشمیر تک پھیل چکا ہے۔ کراچی میں المصطفیٰ میڈیکل سینٹرز گلشن اقبال، ملیر کالونی، شاہ فیصل کالونی، اورنگی ٹاؤن، کورنگی، دھوراجی میں کام کر رہے ہیں۔

رحمتہ اللہ علیہ

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

سے میری نیازمندی

حاجی محمد حنیف طیب
سربراہ نظام مصطفیٰ پارٹی
سابق وفاقی وزیر وسرپرست المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی

علامہ ازہری سے میری پہلی شناسائی بمبئی بازار میں بزمِ قادریہ رضویہ کے پروگراموں کے ذریعے ہوئی۔ یہ غالباً 1965 کی جنگ سے پہلے کی بات ہے۔ ہم ان دنوں کھارادر میں رہا کرتے تھے یہاں مولانا جمیل احمد نعیمی صاحب صرافہ بازار کی سبز مسجد کے امام وخطیب تھے۔ مسجد میں انجمن محبان اسلام کی لائبریری تھی۔ اس لائبریری کی وجہ سے میری مولانا جمیل احمد نعیمی صاحب سے ذاتی طور پر شناسائی ہوئی، پھر اس شناسائی میں اضافہ ہوتا گیا۔ بعد ازاں میں انجمن محبان اسلام کے جنرل سیکریٹری کے عہدے پر فائز ہوا۔

اس وقت علاقے میں انجمن محبان اسلام کے علاوہ بھی کئی دینی تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ ان میں ایک تنظیم بزم قادریہ رضویہ بھی تھی۔ بزم قادریہ رضویہ عموماً دینی جلسے منعقد کیا کرتی تھی۔ خاص طور سے ربیع الاول اور گیارہویں کے مہینے میں اس بزم کے تحت خصوصی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ بزم قادریہ رضویہ کے ان جلسوں میں ممتاز علماء کرام کو تقاریر کیلئے مدعو کیا جاتا تھا۔ ان جلسوں میں ملتان سے علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی صاحب اور کراچی سے علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری خاص طور سے شریک ہوتے تھے۔ ہم بھی مولانا جمیل احمد نعیمی صاحب کے ہمراہ ان جلسوں میں شریک ہو کر علامہ کاظمی اور ازھری صاحب کے علم سے مستفید ہوتے تھے۔

ازہری صاحب چونکہ اپنی تقریر میں کچھ لطائف بھی سنایا کرتے تھے اس لئے عام لوگوں کو ان کی تقریر کا بڑی بے تابی سے انتظار ہوتا تھا۔ عموماً علامہ ازہری صاحب علامہ کاظمی شاہ صاحب سے قبل تقریر فرما کر چلے جاتے تھے۔ اس لئے کہ ایک تو انہیں دُور جانا ہوتا تھا،

دوسرے دارالعلوم امجدیہ میں صبح درس حدیث کی کلاس بھی لینی ہوتی تھی۔ بطورِ طالب علم میں محسوس کرتا تھا کہ یہ دونوں حضرات بہت بڑے عالم ہیں اور ان کی تقریروں کو سمجھنے کیلئے علم چاہیئے۔ اِن دنوں علامہ شاہ احمد نورانی غیر ملکی تبلیغی دوروں پر رہتے تھے۔ علامہ شاہ احمد نورانی جب کراچی تشریف لاتے تو انجمن محبان اسلام اور دیگر تنظیموں کے پروگراموں میں انہیں مدعو کیا جاتا تھا۔

1968ء میں سبز مسجد میٹھادر میں انجمن طلبہ اسلام کا قیام عمل میں آیا اور بہت جلد انجمن طلبا اسلام کے کئی یونٹ اطراف کے علاقوں میں قائم ہوگئے۔ اس وقت جمعیت علمائے پاکستان اور جماعت اہلسنت کا کوئی خاص تنظیمی ورک نہیں تھا اور نہ ہی ان تنظیموں کے دفاتر وغیرہ تھے۔ گھر اور تعلیم کے علاوہ ہمارا زیادہ وقت انجمن طلبہ اسلام کی سرگرمیوں میں صرف ہوتا تھا۔

جب 1970ء کے الیکشن قریب آئے تو علامہ نورانی صاحب نے ایک دن مجھے اپنے گھر بلایا اور مجھ سے پوچھا کہ اگر تمہارے علاقے سے الیکشن میں، زین نورانی اور شاہ احمد نورانی میں مقابلہ ہو تو کون کامیاب ہوگا؟ میں نے جواب دیا کہ میں صورتحال کا جائزہ لے کر آپ کو بتاتا ہوں۔ صورتحال کا جائزہ لینے کیلئے پہلے تو میں نے دوست احباب سے انفرادی ملاقاتیں کیں۔ پھر انجمن طلبہ اسلام کے مختلف یونٹس کا ایک اجلاس بسم اللہ مسجد کھارادر میں رکھا۔ اس اجلاس میں کارکنانِ انجمن جمع ہوئے تو میں نے انھیں علامہ شاہ احمد نورانی صاحب کے اس حلقے سے الیکشن لڑنے کے ارادے کے متعلق بتایا، اور اس سلسلے میں ان سے مشورہ طلب کیا۔ مشاورتی اجلاس کے بعد میں نے مولانا نورانی سے ملاقات کی اور انھیں بتایا کہ زین نورانی کے مقابلے پر آپ کامیاب ہونگے۔ اس کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی نے اس حلقے سے، جو میٹھادر، کھارادر، اولڈ ٹاؤن اور رنچھوڑ لائن وغیرہ پر مشتمل تھا، قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا۔ آپ کا انتخابی نشان چابی تھی۔ اس وقت جے یو پی اور جماعت اہلسنت کا خاص تنظیمی سیٹ اپ نہیں تھا، جبکہ اس وقت اسی حلقہ نمبر 7 میں اے ٹی آئی کے کئی یونٹ کام کررہے تھے۔ علامہ شاہ احمد نورانی دینی طور پر انجمن طلبہ اسلام کے ہم خیال تھے، لہذا ہم نے مل کر علامہ شاہ احمد نورانی کیلئے جان توڑ محنت کی۔ ہم نے اس الیکشن میں رابطے، پولنگ ایجنٹوں کی تربیت اور فائلوں کی تیاری کا کام سرانجام دیا۔ اسی حلقے

سے مولانا جمیل احمد نعیمی نے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اس الیکشن میں قومی اسمبلی کی سیٹ پر علامہ شاہ احمد نورانی کامیاب رہے۔ دوسرے نمبر پر جماعت اسلامی کے پیر محمد کالیا، تیسرے پر پیپلز پارٹی کے سوداگر درویش اور چوتھے نمبر پر زین نورانی رہے۔

1970 کا یہ الیکشن علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے ڈرگ کالونی، کورنگی، لانڈھی، ملیر اور سعود آباد وغیرہ پر مشتمل قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر 128 سے لڑا۔ علامہ شاہ احمد نورانی کی طرح علامہ ازہری بھی اس الیکشن میں کامیاب ہوکر رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ علامہ ازہری نے اپنے حریف ریٹائرڈ میجر جنرل محمد اکبر خان کو ہرایا۔

1970 کے انتخابات کے بعد میری علامہ ازہری صاحب سے قربت اور شناسائی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ میں دارالعلوم امجدیہ کی تقریبات میں بھی شرکت کیا کرتا تھا اور بعض اوقات علامہ ازہری کے درس حدیث میں بھی بیٹھ جاتا تھا۔ علامہ ازہری اپنی تمام توجہ درس پر مرکوز رکھتے تھے۔ علامہ ازہری بہت بڑے شیخ الحدیث تھے، ان کے والد بھی شیخ الحدیث اور ان کے بھائی بھی شیخ الحدیث تھے اور کیوں نہ ہوں۔ علامہ ازہری جب درس حدیث دیا کرتے تو طلباء سے پوچھا کرتے کچھ سمجھ میں آیا؟ پھر خود ہی سوال بنا کر ان کے جوابات دیا کرتے تھے۔ علامہ ازہری کی تدریس و تقاریر کا انداز بہت آسان تھا۔ اکثر لطائف سے اپنی گفتگو کو مزین کیا کرتے تھے۔ لوگ آپ کی گفتگو کے منتظر رہتے اور بڑی توجہ سے آپ کو سماعت فرماتے۔ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری ایک ذہین اور باشعور عالم دین تھے۔ آپ نے زمانہ دیکھا ہوا تھا۔ اور یہ کتنی بڑی سعادت کی بات ہے کہ ان کے شاگرد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ علامہ ازہری صاحب کی تقریروں سے مجھے بھی اپنی کئی تقریروں کے لئے اچھا خاصا مواد مل جاتا تھا۔

1975ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی کی سیٹ سے استعفیٰ دیا اور سینیٹ کا الیکشن لڑا۔ الحمدللہ اس میں وہ کامیاب ہوکر سینیٹر بن گئے۔ نورانی صاحب کی خالی کردہ اس نشست پر میں نے JUP کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا ضمنی الیکشن لڑا۔ اس الیکشن کے دوران میری سپورٹ میں دیگر رہنماؤں کے علاوہ علامہ ازہری بھی انتخابی جلسوں سے خطاب کیا کرتے تھے۔ اس الیکشن کے نتائج میں حکومتی دھاندلی کے باعث، پیپلز پارٹی کے

نور العارفین کی کامیابی کا اعلان کیا گیا۔ بعد میں جنرل ضیاء الحق نے اقتدار میں آنے کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت کیخلاف جو وائٹ پیپر شائع کیا اس میں اس حلقے کے نتیجے کا بھی ذکر شامل کیا، جس کے مطابق میں قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہوا تھا۔

1977ء کے الیکشن میں علامہ ازھری نے حصہ نہ لیا مگر جب حکومتی دھاندلیوں کیخلاف ''تحریک نظام مصطفیٰ'' شروع ہوئی تو علامہ ازھری نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ 1985ء کے پیریڈ میں علامہ ازھری کے ہمراہ میں بھی قومی اسمبلی کا رکن تھا۔ ایک مرتبہ میں اسمبلی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ڈیسک پر ایک بل رکھا ہوا ہے میں نے دیکھا کہ یہ قانون توہین رسالت کا بل تھا۔ اس بل میں توہین رسالت کی سزا عمر قید تجویز کی گئی تھی۔ میں اُٹھ کر ازھری صاحب کے پاس گیا اور انہیں بل کے بارے میں بتایا۔ از ہری صاحب نے کہا کہ گستاخِ رسول کی سزا موت سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ کچھ دیر بعد ہمارے گروپ کے اور اراکین بھی آ گئے جن میں علامہ شاہ تراب الحق قادری، محمد عثمان خاں نوری، قمر النساء قمر اور سیالکوٹ کے صاحبزادہ محمد احمد نقشبندی شامل تھے۔ ہم نے اسمبلی کے اجلاس سے قبل لابی میں بیٹھ کر باہم مشورہ کیا۔ بعد ازاں ایک اجلاس علامہ از ہری صاحب کے کمرے میں ہوا۔ اس اجلاس میں راولپنڈی اسلام آباد کے ممتاز علمائے کرام بھی شریک تھے۔ ہم سب نے فیصلہ کیا کہ توہین رسالت کی سزا موت ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں ہم لوگوں نے مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ وزارتِ قانون کے وزیر مملکت میر نواز خاں مروت کو بریفنگ دی اور جدوجہد جاری رکھی ۔ اس تمام جدوجہد کے نتیجے میں ہم آئین میں توہین رسالت کی سزا عمر قید کے بجائے موت کا قانون پاس کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ جس کی اسمبلی کے عیسائی، پارسی اور ہندو اراکین نے بھی حمایت کی۔ اس قانون توہین رسالت کا سہرا بلاشبہ علامہ از ہری کے سر جاتا ہے۔ اس طرح تحریکِ ختم نبوت میں آپ کا کردار بڑا اہم ہے۔ آپ دن میں اسمبلی میں ہوتے اور رات کو ختمِ نبوت کے جلسوں میں خطاب کیا کرتے تھے۔ ختمِ نبوت کے ضمن میں جب قادیانیوں کا خلیفہ، اراکینِ اسمبلی سے گفتگو کرنے کیلئے آیا تو علامہ ازہری بھی اس وفد میں شامل تھے، جس نے اس سے گفتگو کی اور اپنے دلائل سے اسے لاجواب کیا۔

علامہ ازھری اسمبلی میں لوگوں کے اجتماعی مسائل بڑے اچھے انداز میں اُٹھاتے

تھے۔ اگر اسمبلی کا ریکارڈ اُٹھا کر دیکھا جائے تو 90فیصد اراکینِ اسمبلی سے زیادہ بہتر کارکردگی علامہ ازہری کی تھی۔ حسِ ظرافت آپ کی شخصیت کا ہمیشہ سے ایک خاصہ رہا۔ ایک مرتبہ اسمبلی میں سوال کیا گیا کہ پی آئی اے کی پروازوں میں جو مکھن مسافروں کو پیش کیا جاتا ہے کیا وہ غیر ملکی ہوتا ہے؟ اس کا جواب متعلقہ وزیر پرنس محی الدین بلوچ نے دیا کہ ملک میں اعلیٰ معیار کا مکھن چونکہ دستیاب نہیں ہے لہٰذا غیر ملکی مکھن پی آئی اے کی پروازوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس پر علامہ ازھری کی حسِ ظرافت پھڑکی اور ارشاد فرمایا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وزیر موصوف کو اعلیٰ معیار کا مکھن نہ لگ سکا ہو۔

علامہ ازہری ایک کامیاب مدرس تھے۔آپ اسمبلی کے اجلاسوں کے دنوں میں بھی راولپنڈی کے ایک مدرسے میں درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔ 1979ء میں سکھر میں منعقدہ جے یو پی کے اجلاس میں، علامہ از ہری جے یو پی سندھ کے صدر اور میں جنرل سیکریٹری منتخب ہوا۔مگر نامعلوم وجوہ کی بناء پر ہمیں پارٹی کی سرگرمیوں سے الگ کرکے گھر بٹھا دیا گیا۔ یوں قائدین کی بے اعتنائی کے باعث ہم JUP سے دور ہوتے گئے۔ پھر 1985ء کے الیکشن آگئے۔ علامہ ازھری اس الیکشن میں حصہ لینے پر راضی نہ تھے مگر جب پتہ چلا کہ JUP ان میں حصہ نہیں لے رہی تو علامہ ازہری میرے اصرار پر بمشکل الیکشن لڑنے پر راضی ہوئے۔ علامہ شاہ تراب الحق قادری صاحب بھی بمشکل اور مشروط طور پر راضی ہوئے۔ ان کی شرط تھی کہ آئندہ انہیں کسی اور الیکشن میں حصہ لینے کیلئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ غرض مولانا ازہری نے 1985ء کے الیکشن میں حصہ لیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔

علامہ ازہری ہمیشہ اہلسنت کے اتحاد کیلئے کوشاں رہے۔ علامہ ازھری اور مفتی نعمانی نے اس مقصد سے غالباً 80-1979ء میں حاجی انور توکل کے یہاں ایک میٹنگ بھی رکھی ۔ اس میٹنگ میں مولانا نورانی صاحب اور شاہ فرید الحق صاحب بھی شریک ہوئے۔ تاہم یہ اجلاس بھی اکابرین کے جلال کی نذر ہوکر نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکا۔ بعد میں علامہ ازہری اتحادِ اہلسنت سے اتنے افسردہ تھے کہ انھیں اس موضوع پر گفتگو سے ہی الجھن ہوا کرتی تھی۔

رحمتہ اللہ علیہ

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

سادگی کے پیکر

پروفیسر شاہ فرید الحق
سابق قائد حزب اختلاف، سندھ اسمبلی

اسلامیہ کالج میں اپنی [illegible] لینے کے بعد، میں دارالعلوم امجدیہ، عربی پڑھنے کی غرض سے چلا جاتا تھا۔ دارالعلوم کا قیام شروع شروع میں ایک چھوٹی سی عمارت واقع گاڑی کھاتہ آرام باغ میں ہوا۔ آج کل اس عمارت میں مکتبہ رضویہ کا کتب خانہ ہے جسے قاری رضاء المصطفیٰ صاحب خطیب نیومیمن مسجد چلا رہے ہیں۔

میرا یہ سلسلہ 1957ء سے 1959ء تک جاری رہا۔ مولانا خادم معین علی صاحب جو بھارت سے آئے ہوئے تھے' انہوں نے سال' ڈیڑھ سال کراچی میں قیام کیا۔ مولانا انتہائی ذی علم اور درس نظامیہ کے ایک معروف اور مقبول استاد تھے۔ مفتی ظفر علی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ جو دارالعلوم امجدیہ کے مینجنگ ٹرسٹی تھے۔ اُن کی خواہش پر مولانا معین صاحب نے اس مدرسہ میں تدریس کے فرائض سنبھال لئے۔ مجھے بھی ان کی شاگردی کا شرف حاصل رہا۔ تقریباً ایک سال تک میں ان سے عربی پڑھتا رہا۔ دارالعلوم کی اسی آمدورفت کے دوران غالباً 1957ء میں مجھے مفتی ظفر علی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا کہ حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ خلف الرشید صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی رحمتہ اللہ علیہ مصنف بہار شریعت ہارون آباد پنجاب سے تشریف لا رہے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا شوق ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو ان کی علمی وجاہت' دوسری ایک معتبر عالم دین اور فقیہہ کے صاحبزادے

ہونے کا شرف، تیسرا یہ کہ وہ میری والدہ مرحومہ کے ہم وطن یعنی قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ یوپی کے رہنے والے تھے۔

میری پہلی ملاقات علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ سے دارالعلوم امجدیہ گاڑی کھاتہ آرام باغ کراچی میں ہوئی۔ ڈھلکتا ہوا رنگ، بڑی آنکھیں، چہرے پر وجاہت، جس پر کالی داڑھی جس میں چند بال سفید تھے، درمیانہ قد، جسم قدرے بھاری، جسم پر شیروانی زیب تن کئے ہوئے، سر پر عمامہ باندھے تشریف لائے۔ میں نے سلام کیا، وہ مجھ سے مسکراتے ہوئے بغل گیر ہوئے۔ مفتی ظفر علی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ نے میرا تعارف کرایا۔ حضرت علامہ خوش ہوئے اور بڑی شان بے نیازی سے فوری طور پر بے تکلف بھی ہوگئے۔ اسی ملاقات میں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ علامہ کراچی منتقل ہو رہے ہیں۔ وہ دارالعلوم امجدیہ ہی میں بحیثیت شیخ الحدیث صدر مدرس کے فرائض انجام دیں گے۔ اسی چھوٹے سے مدرسے میں حضرت علامہ رہائش پذیر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد غالباً 1959ء میں وہ سعود آباد کے دو کوارٹروں میں، جو اسّی اسّی مربع گز پر تعمیر تھے، منتقل ہوگئے اور تادم آخر وہیں مقیم رہے۔ باوجود اس کے کہ وہ کئی بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ پہلی مرتبہ 1970ء میں قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ضیاء الحق مرحوم کے زمانہ کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن رہے۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخاب میں ملیر سعود آباد سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ لیکن ان تمام اعزازات کے باوجود وہ اپنے اسی مختصر مکان میں قیام پذیر رہے اور عرصہ دراز تک ممبر قومی اسمبلی کی حیثیت سے بھی وہ ملیر سے بس میں سفر کر کے دارالعلوم امجدیہ صبح سات بجے پہنچ جاتے تھے۔ حضرت علامہ سے میرے قریبی تعلقات اس وجہ سے بھی تھے کہ میں عرصہ دراز تک سعود آباد کے کوارٹر میں مقیم رہا۔ حضرت علامہ سے پڑوسی ہونے کے علاوہ ان کی اقتداء میں برسوں نماز پڑھنے کا بھی شرف حاصل رہا بلکہ نماز جمعہ بھی انہی کی اقتداء میں جامع مسجد مدنی، بلاک 5، گلشن اقبال میں ان کی بیماری سے قبل تک ادا کرنے کا اعزاز حاصل رہا۔ اس کے علاوہ مجھ پر اور میرے اہل خاندان اور برادران پر کافی شفقت فرماتے تھے۔ سعود آباد میں برسوں وہ میرے غریب خانے پر جمعہ کے بعد تشریف لاتے تھے اور کافی دیر تک بیٹھتے جو کچھ مجھ سے بن پڑتا، ان کی خاطر تواضع کرتا رہا۔ میرے گلشن اقبال منتقل ہونے کے بعد خوش قسمتی سے

وہ جامع مسجد مدنی گلشن اقبال میں جمعہ کی خطابت فرمانے لگے۔ تقریباً دس سال تک انہوں نے یہ فریضہ انجام دیا اور نماز جمعہ کے بعد وہ برادر خورد شاہ شمیم الحق کے مکان پر تشریف لاتے اور یہیں کھانا تناول فرماتے۔

حضرت علامہ رحمتہ اللہ علیہ ہی کی وجہ سے اور ان کے زور دینے پر میں نے 1970ء میں باوجود لیاقت کالج ملیر کے پرنسپل ہونے کے، صوبائی انتخاب میں حصہ لیا اور ان کی دعاؤں سے کامیاب بھی ہوا۔

حضرت کا ساتھ دینی لحاظ سے قوی تو تھا، سیاسی طور پر بھی حضرت سے بڑا قرب حاصل رہا۔ اس لئے کہ وہ جمعیت علماء پاکستان سے کافی عرصہ وابستہ رہے اور صوبہ سندھ کے صدر رہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی رحمتہ اللہ علیہ ان کا خصوصی احترام کرتے تھے۔ بعد میں کچھ سیاسی اختلافات بھی ہوئے لیکن مولانا نورانی رحمتہ اللہ علیہ ان کی قدر و منزلت بحیثیت عالم اور شیخ الحدیث ویسے ہی کرتے رہے۔ اس تعلق کی وجہ سے حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وصیت میں نماز جنازہ پڑھانے کے لئے مولانا شاہ احمد نورانی رحمتہ اللہ علیہ نام بھی رکھا تھا۔

حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے۔ بعض دفعہ جب وہ بے تکلف ہوتے تو کافی حد تک بذلہ سنجی کا مظاہرہ کرتے۔ جلسوں میں جاتے تو باوجود اتنے بڑے عالم اور محدث ہونے کے اس بات کی پروا نہ کرتے کہ کتنا مجمع ہے، لوگ خوب نعرے لگائیں گے یا نہیں، پذیرائی کریں گے یا نہیں۔ وہ تقریر شروع فرماتے اور سارے مجمع کو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اپنی طرف متوجہ کر لیتے۔

تقریر میں بھی نکتہ آفرینی فرماتے تھے اور بڑے بڑے مسائل کو بڑی آسان مثال دے کر ہنستے ہوئے سمجھا دیتے۔ لوگ محظوظ بھی ہوتے اور مسئلہ بھی سمجھ جاتے۔ کبھی باقاعدہ انتہائی اہم علمی موضوع پر جب گفتگو فرماتے تو سنجیدگی کا عجیب عالم ہوتا۔ مجھے کئی دفعہ ان کی اہم علمی تقاریر سننے کا موقع بھی ملا۔ دلائل اور براہین کے ڈھیر لگا دیتے۔ جو شخصیت اپنی پوری عمر حدیث کا درس دے اس کے تبحر علمی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت علامہ اپنی قومی اسمبلی کی رکنیت کے زمانہ میں جب انہیں مہینہ، دو مہینہ کے اجلاس کی وجہ سے اسلام آباد

میں قیام کرنا پڑتا تھا تو وہاں بھی وہ ایک دینی مدرسہ میں درس حدیث دینے جاتے تھے تاکہ درس کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔

حضرت علامہ سلسلہ تصوّف میں اپنے والد ماجد کے علاوہ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ سے وابستہ تھے اور انہیں اجازت وخلافت حاصل تھی۔ لیکن انہوں نے باقاعدہ پیری مریدی کا سلسلہ شروع نہیں کیا۔ کبھی کبھی مذاق میں فرما دیتے کہ مجھے پیر کے لوازمات پورے کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔

تبحّرِ دینی کے علاوہ شعر وسخن سے بھی خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ شاعری میں ماجد تخلص فرماتے تھے۔ دارالعلوم امجدیہ اور سعود آباد کے نعتیہ مشاعروں میں ان کا کلام سننے کا بارہا اتفاق ہوا۔ میں ان محافل میں خصوصی طور پر شریک ہوتا تھا بلکہ سعود آباد کی محفل نعت کا تو میں خود ہی احباب کے ساتھ مل کر اہتمام کرتا۔ مجھے ذاتی طور پر بھی شعر وسخن سے دلچسپی تھی اور حضور ﷺ کی مدح میں اپنی بساط کے مطابق اشعار بھی موزوں کرلیتا تھا۔ کئی نعتیہ مشاعروں میں حضرت علامہ کا ساتھ رہا۔

ذاتی طور پر مجھے تقاریر کرنے کا شوق حضرت علامہ نے دلایا۔ رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ لوگ اس ناچیز کو بھی باقاعدہ مقرر تصور کرنے لگے۔ مذہبی تقاریر تو بالخصوص میں علامہ صاحب کی تقاریر ہی سے تیار کرلیتا تھا۔ ان ہی کی صحبت کی وجہ سے مذہبی کتابوں کے مطالعہ کا بھی شوق ہوا۔

حضرت علامہ نے تحریک ختم نبوت ﷺ اور تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں بھی بڑے عظیم کارنامے انجام دیئے۔ قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں حضرت کی کاوشوں کا بڑا دخل ہے۔ 1973ء کی دستور سازی میں مسلمان کی تعریف اور دستور کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لئے حضرت علامہ نے' علامہ شاہ احمد نورانی رحمتہ اللہ علیہ' مولانا محمد ذاکر صاحب مرحوم جھنگ اور مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ مل کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جماعت اہلسنت پاکستان کے وہ بانی اراکین میں تھے اور سب سے پہلے صدر بھی وہی منتخب ہوئے۔ سنی کانفرنس ملتان 1978ء اور میلاد مصطفیٰ ﷺ کانفرنس رائے ونڈ 1979ء میں حضرت علامہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس میں شریک رہے اور ان

اجتماعات کو کامیاب کرانے میں انتھک محنت کی۔

انتقال سے کافی عرصہ پہلے وہ ذیابطیس کے مریض ہو گئے۔ قلب کی کچھ تکلیف ہو گئی لیکن کبھی بھی اپنے فرائض بالخصوص درس و تدریس اور جمعہ کی خطابت سے بے اعتنائی نہیں برتی۔ انتہائی مجبوری یا شدید علالت کی وجہ سے وہ کبھی کبھی غیر حاضر ہو جاتے لیکن ایسا بہت کم ہوا۔ آخر میں ان پر فالج کا اثر ہوا جس نے انہیں صاحبِ فراش کر دیا۔ مہینوں اسپتال میں رہے۔ بیماری کے عالم میں ان سے جب لوگ ملتے تو وہ خوش ہو جاتے۔ انہیں اپنی موت کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لئے زیادہ تر ان پر رقت طاری رہتی۔ فرماتے تھے میں نے حضور ﷺ کے دین کی خدمت حتی الامکان کی ہے' میرے لئے دعا کیجئے۔ علاج ہی کی غرض سے انتقال سے کچھ روز قبل سانگلہ ہل' ضلع شیخوپورہ لے جائے گئے۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا وہیں انتقال فرمایا۔ تین جگہوں پر نماز جنازہ ادا کی گئی' پہلی سانگلہ ہل میں' دوسری فیصل آباد اور تیسری دارالعلوم امجدیہ کراچی میں ہزاروں افراد نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ خوش قسمتی سے قطبِ مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حضرت مولانا فضل الرحمان مدنی رحمۃ اللہ علیہ خسر حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دارالعلوم امجدیہ کے احاطہ ہی میں سپرد خاک کئے گئے۔ آج وہیں پر آرام فرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو انوار سے بھر دے، ان کے درجات بلند فرمائے اور اہلسنت کو ان کی کمی پوری کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

رحمۃ اللہ علیہ
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

صبر وقناعت کے پیکر

قمر النساء قمر
سابق رکن قومی اسمبلی وچیئر پرسن، تنظیم فلاحِ خواتین
سربراہ، نظامِ مصطفیٰ پارٹی (شعبہ خواتین)

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی سرکارِ دو عالم ﷺ سے محبت کا عملی نمونہ تھی۔ علامہ ازہری نے صبر وشکر اور قناعت کے ساتھ زندگی گزاری اور یہی تعلیم اپنے بچوں، خاندان، اپنے شاگردوں اور ہم جیسے ادنیٰ کارکنوں کو دی۔ دیانت داری، سچائی، عہد کی پاسداری، دوستی اور رشتوں کا پاس نبھانا ان کی زندگی کا بڑا ہی خوبصورت پہلو تھا۔ تصنع کو آپ سخت نا پسند فرماتے اور خود بھی ہمیشہ بناوٹ اور ظاہری شان وشوکت سے دور رہے۔ علامہ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ آپ محبت اور اخلاص کا پیکر تھے۔ آپ کئی بار منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں گئے۔ اگر زندگی وفا کرتی تو اس کے بعد بھی منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں پہنچتے۔ کیوں کہ علامہ الازہری نے ہمیشہ عوام کے اعتماد کو قائم رکھا۔ کبھی غلط بیانی نہیں کی۔ آپ نے انتہائی خلوص سے اپنے حلقے اور ملک بھر کے عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کے حقیقی مسائل کی نشاندہی کی۔

1970ء میں جب جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے علامہ ازہری ہمارے علاقہ (لانڈھی، کورنگی، ملیر سعود آباد جو اُس وقت قومی اسمبلی کی ایک نشست ہوا کرتی تھی) سے الیکشن کے لئے امیدوار نامزد ہوئے تو اس وقت ظہور الحسن بھوپالی شہید نے مجھے گھر آکر پیشگی مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔ مبارک ہو باجی! ایک جید عالمِ دین (علامہ الازہری)

آپ کے حلقہ سے آپ کا نمائندہ منتخب ہوگا۔ اور آپ ان کی انتخابی مہم میں حصہ لینے کا فخر حاصل کریں گی اور الحمدللہ یہ فخر مجھے حاصل ہے کہ دو بار نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی جدو جہد کے لئے نہ صرف علامہ الازہری کو اپنے خاندان کے ساتھ ووٹ دیا بلکہ ان کی انتخابی مہم میں بھر پور حصہ بھی لیا اور دو بڑی جماعتوں کے امیدواروں کو علامہ الازہری نے عبرت ناک شکست دی اور یہ اعزاز بھی ہمیں حاصل ہے کہ میں علامہ الازہری کے حلقہ انتخاب میں خواتین کے پولنگ کے لئے ان کی چیف پولنگ ایجنٹ بنی۔ مجھے یہ بھی فخر اور اعزاز حاصل ہے کہ پاکستان کے اس جید عالمِ دین کے خاندان کے دو مفتیوں نے مجھے ووٹ دے کر عوامِ اہلسنت میں اعتماد اور پہچان دی۔

سب سے پہلے علامہ الازہری کے بڑے صاحبزادے مفتی انوار المصطفیٰ مرحوم نے 1979ء میں مجھے بلدیہ عظمیٰ کی کونسلر شپ کے لئے ووٹ دیا اور دوسرا ووٹ خود علامہ الازہری کا تھا جو 20 مارچ 1985ء کو قومی اسمبلی کی نشست کے لئے علامہ صاحب نے مجھے دیا۔ بقول علامہ شاہ تراب الحق قادری صاحب کے باجی یہ پہلا ووٹ ہی بڑا با برکت تھا جس نے چار ووٹوں کو اتنی برکت دی کہ آپ نا مساعد حالات اور ووٹ زیادہ نہ ہوتے ہوئے بھی دوسرے ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں اور حقیقتاً علامہ صاحب کا ووٹ دعاؤں سے پُر اور بڑا بابرکت ثابت ہوا۔ جس نے مجھ ناچیز اور کم فہم اور کم علم سی خاتون کو پارلیمنٹ کا نہ صرف رکن منتخب کروایا بلکہ علامہ کی سربراہی میں چھ چھ افراد کے گروپ (جناب حنیف طیب صاحب، علامہ ازہری، علامہ سید شاہ تراب الحق قادری، برادرم عثمان خان نوری، صاحبزادہ محمد احمد اور خود مجھے) کو پارلیمنٹ میں اعتماد اور جرأت اور عزت و احترام دیا، جس کا سارا کریڈٹ علامہ صاحب کی شفقت و محبت اور تربیت کو جاتا ہے۔ اور یہ اعزاز بھی ہمیں حاصل ہے کہ ممتاز عالمِ دین امیر جماعت اہلسنت کراچی علامہ سید شاہ تراب الحق قادری کے دو بار اعتماد کے ووٹ بھی ہمیں ملے۔ ایک بلدیہ عظمیٰ 1979ء کی نشست اور دوسری بار 1985ء میں قومی اسمبلی کی نشست کے لئے۔ اور اس اعتماد کو قائم رکھنے میں آج تک اس رشتے کا تعلق ہے، جو بھوپالی شہید کے تعلق سے علامہ الازہری صاحب نے نبھایا اور اپنی زندگی میں بار ہا اس کا اظہار بھی کیا کہ ہمارے ووٹوں کی حقدار

ظہور بھوپالی کی پھوپھی ہی ہے کوئی اور خاتون نہیں ہوسکتی اور میں سمجھتی ہوں کہ ظہور بھوپالی اور علامہ الازہری صاحب جو رشتہ جماعت اہلسنت کے رہنماؤں کے ساتھ دینِ اسلام کے تعلق سے بہن ، پھوپھی اور ماں کی حیثیت سے قائم کر گئے ہیں وہ آج بھی قائم ہے اور انشأ اللہ ہمیشہ قائم رہے گا کہ رشتوں کا بھرم رکھنا رشتہ قائم رکھنا صرف اور صرف اللہ والوں ،بڑے ظرف والوں کا کام ہے۔ ورنہ موجودہ ہنگاموں سے پُر دور میں، خونی رشتوں کا قائم رہنا بھی مشکل ہوگیا ہے۔

علامہ الازہری برِصغیر پاک و ہند کے نامور عالمِ دین تھے۔انہوں نے ملک میں دینِ اسلام کے نفاذ کے لئے بھر پور کردار ادا کیا۔ علامہ بہترین پارلیمنٹرین اور بہترین مقرر تھے ۔ ان کی شگفتہ بیانی، بذلہ سنجی، بڑی ذو معنی ہوتی تھی۔ وہ بہت خوبصورت انداز میں نصیحت کرجاتے تھے۔ ہم نے تین سال کا عرصہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے حوالے سے گورنمنٹ ہاسٹل میں گزارا۔ ہمارا سوئٹ نمبر 27 تھا اور یہ وہی کمرہ تھا جس میں شہیدِ وطن ظہور الحسن بھوپالی مجلسِ شورٰی کے رکن ہونے کی حیثیت سے قیام کرتے تھے۔ بقول ہمارے اور علامہ صاحب کے کہ یہ کمرہ ہماری جماعت کی مجلسِ مشاورت ہوا کرتا تھا اور اس کے سامنے والا کمرہ علامہ صاحب کا تھا۔ جس میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ گروپ کی میٹنگز ہوا کرتی تھیں اور کبھی کبھی یہ شرف ہمارے کمرے کو بھی حاصل ہو جاتا تھا۔ کہ نہ صرف پارلیمانی گروپ کے ارکان بلکہ ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے تنظیمی اراکین بھی ہمارے ہاں جمع ہوتے اور یہ صرف علامہ الازہری کی ہدایت پر ہوتا۔ بعض اوقات وہ ہم سے فرمائشیں کرتے کہ کل اجلاس نہیں ہے لہٰذا باجی آپ اور بلقیس باجی ہمیں اچھا سا کھانا یا ناشتہ بنا کر کھلائیں گی۔ بلقیس شہباز بلوچستان سے ممبر قومی اسمبلی تھیں۔ اور ہم دونوں کا ایک ساتھ ہی قیام تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ پارلیمنٹ کی دیگر ممبر خواتین خاص طور سے بیگم بلقیس شہباز ، نور جہاں پانیزئی ، ریحانہ علیم مشہدی، بیگم سروری صادق، بیگم نسیم ماجد، ہم سب علامہ صاحب کی مجلس میں جمع ہوتے اور آپ ہم سب کو انتہائی شفقت کے ساتھ دین و دنیا کے مسائل سے آگاہ فرماتے۔ علامہ الازہری کا سوئٹ پاکستان بھر، خاص طور پر سندھ اور کراچی والوں کے لئے غریب پرور قیام گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ہر کارکن بلا تکلف آ کر ٹھہر جاتا۔

بعض اوقات تو آپ کے دونوں کمرے کارکنوں سے بھر جاتے تھے گویا کہ چھوٹی سی جلسہ گاہ کا منظر نظر آتا تھا۔ لیکن ہم نے کیا کسی نے بھی علامہ الازہری کو نہ تو ناگواریت محسوس کرتے دیکھا اور نہ انہوں نے ناگواریت کا اظہار کیا۔ البتہ ایک بار ہم سے اتنا ضرور پوچھا تھا کہ باجی ماشاءَ اللہ آپ کے کتنے بیٹے ہیں؟ ہم نے حیرت میں کہا حضرت آپ کو علم ہے اور آپ سب سے مل بھی چکے ہیں۔ لیکن چاروں بھائی کبھی ساتھ نہیں آپاتے کبھی کبھار ایک دو کو ساتھ لے آتے ہیں اور اب بلقیس آپا ہیں اس لئے یہ بھی فکر نہیں کہ کوئی آئے۔

وہ ہنس کر بولے ارے بھئی باجی آپ کو تو کچھ خبر نہیں۔ ماشاءَ اللہ ہر چند روز بعد دو چار چھ لڑکے یہ کہتے ہوئے آکر قیام کرتے ہیں کہ ہم قمر باجی کے بیٹے ہیں اور ہم خوش ہو کر انہیں ٹھہراتے ہیں کہ ہماری باجی کو اتنے کارکن ماں کہنے والے تو ہیں۔ کیا ہم پہچانتے نہیں۔ ہم تو آواز سُن کر ہی سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کون تھے؟

یاد رہے کہ علامہ صاحب جو ہمارے ہی نہیں ہمارے گروپ میں شامل تمام افراد کے لئے والد کی عمر کے ہی تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ ہمیں باجی ہی کہا۔ کہ یہی تو ہمارا گھر کا، باہر کا اور بھوپالی کی پھوپھی کا نام ہے۔

❖❖❖

انجمن طلبائے اسلام

آپ قارئین سے التماس ہے کہ اپنے بچوں، نوجوانوں کو انجمن طلبائے اسلام سے متعارف کرائیں۔ انجمن کے پروگرامز میں شرکت کے لیے بھیجیں تاکہ ان کے لبوں پر سیدی، مرشدی یا نبی یا نبی کے نعرے ہوں اور قلب میں عشق مصطفوی پیدا ہو ان کی سیرت و شخصیت کی تعمیر سنت نبوی ﷺ پر ہو۔ رابطہ کیلئے: 2217302

❖❖❖

رحمۃ اللہ علیہ
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

شاہراہِ جنت کے راہی

مولانا وہاج الدین چشتی (مرحوم)
(شہید وطن جناب ظہور الحسن بھوپالی کے والد)

ابن کثیر نے بحوالہ امام احمد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔
''ہم رسول ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے۔ چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے جن کی داڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ میں اپنے نعلین لئے ہوئے تھے۔

دوسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اسی حالت کے ساتھ سامنے آیا۔ جب حضور ﷺ مجلس سے اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کے پیچھے پیچھے ہو لئے تا کہ اس کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے پاس پہنچ کر کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھائی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دے دیں۔ انہوں نے منظور فرما لیا۔ اس طرح عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں تو دیکھا کہ وہ تہجد کے لئے نہیں اٹھے البتہ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے پھر صبح کی نماز کے لئے ہی اٹھتے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی زبان سے بجز کلمۂ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا جب تین راتیں گزر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل

کی حقارت آ جائے تو میں نے ان پر اپنا راز کھول دیا کہ ہمارے گھر میں کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن میں رسول ﷺ سے تین روز تک سنتا رہا کہ تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور اس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ میں ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ عمل کیا ہے جس کے سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی۔ مگر عجب بات ہے کہ میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس درجہ پر پہنچایا؟

انہوں نے کہا میرے پاس تو بجز اس کے کوئی عمل نہیں ہے جو آپ نے دیکھا ہے میں یہ سن کر واپس آنے لگا تو مجھے بلا کر کہا کہ ہاں ایک بات ہے کہ میں دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ اور برائی نہیں پاتا اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی چیز عطا فرمائی ہو۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ بس یہی وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے"۔

شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں مجھے تین راتیں نہیں بلکہ تین سال بھی نہیں تقریباً تیس سال حاضر رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے اور میں یہ لکھنے میں حق بجانب ہوں کہ ان کے دل میں کسی بھی مسلمان سے کوئی کینہ' حسد یا کسی قسم کی برائی کبھی میں نے محسوس نہیں کی۔ مجھے صحیح یاد نہیں رہا 1952ء تھا یا 1953ء کہ آرام باغ گاڑی کھاتہ میں قائم دارالعلوم امجدیہ میں مفتی ظفر علی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق کچھ معلومات ہوئیں کہ وہ اس وقت پنجاب کے شہر ہارون آباد میں تھے۔ دارالعلوم کے لئے مفتی صاحب کو ان کی ضرورت تھی اور وہ ان کے بلانے سے قبل ان کے لئے رہائش وغیرہ کا انتظام کرنا چاہتے تھے۔ اُدھر اس وقت میری رہائش جٹ لائن کے ایک خیمہ میں تھی۔ اسی علاقہ کے ایک کوارٹر میں حضرت مولانا ضیاء القادری رحمتہ اللہ علیہ بھی مقیم تھے' اُن کی وجہ سے اس علاقہ میں جلسہ ہائے عید میلاد النبی ﷺ اور محافل نعت و منقبت کا زور تھا۔

مولانا ضیاء القادری صاحب نے ایک انجمن شیدائیان مصطفیٰ ﷺ بنائی ہوئی تھی جس کے تحت ہر ماہ ایک دو محفلیں ضرور ہوتی تھیں۔ مجھے بھی ان محافل کی وجہ سے اُن کی

قربت حاصل ہوئی۔ اس وقت مولانا جامع مسجد جٹ لائن کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر بھی تھے اور میں انتظامیہ کا ایک رکن۔ مسجد چونکہ پاکستان بننے سے قبل سے ہی فوجی چھاؤنی کی تھی اس لئے اس میں امام و خطیب کی رہائش گاہ بھی تھی۔ چنانچہ مسجد کی انتظامیہ کی منظوری میں نے جمعہ اور عیدین کی خطابت اور رہائشی کوارٹر میں علامہ الازہری کے قیام کی مفتی صاحب قبلہ کو پیشکش کی جو منظور کرلی گئی۔ اس طرح حضرت قبلہ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جٹ لائن تشریف لے آئے' پھر کیا تھا ہر وقت کی صحبت میسر آ گئی۔

برخوردار شہید وطن ظہور الحسن بھوپالی رحمتہ اللہ علیہ اس وقت چھٹی یا ساتویں کلاس کے طالب علم تھے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی سرپرستی میں انجمن فدائیان نبی ﷺ قائم ہوئی جو بچوں کی انجمن کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس انجمن کے تحت بھی بڑے بڑے جلسے منعقد ہونے لگے اس وقت کے سفیر عراق پیر سید عبدالقادر گیلانی رحمتہ اللہ علیہ ان جلسوں کی صدارت فرماتے اور کراچی کے تقریباً تمام علماء کرام رونق افروز ہوتے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے اسکولوں اور کالجوں کے طلباء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کو متعارف کرانے کے لئے انجمن فدائیان نبی ﷺ (بچوں کی انجمن) کو متحرک کیا اور اس کے تحت سالانہ سیرت النبی ﷺ تقریری مقابلے منعقد کرائے اور ٹرافی کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نام سے منسوب کرکے شہر بھر کے کالجوں اور اسکولوں کے طلباء کو اس نام کی طرف متوجہ کیا۔ دوسری اہم بات یہ ہوئی کہ انجمن فدائیان نبی ﷺ کے تقریباً سب ہی ممبران نے علامہ الازہری صاحب کی سرپرستی کی وجہ سے دینی مشاغل کے علمبردار بن کر پورے شہر اور پورے سندھ میں مسلک حقہ کو اُجاگر کیا۔ جس کے نتیجہ میں 1970ء کے قومی انتخابات میں جماعت اہلسنت کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے جمعیت علماء پاکستان مغربی پاکستان کی دوسرے نمبر کی سیاسی جماعت بن کر اُبھری۔ ان انتخابات میں علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ بھی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اگرچہ وہ علمی مصروفیات کے سبب سیاسی جھمیلوں کو پسند نہیں فرماتے تھے پھر وہ کس طرح راضی ہوئے یہ ایک بہت لمبی داستان ہے۔ ملک میں اسلامی سوشلزم کا نعرہ بلند ہوا تو اس سے مذہبی سیاسی جماعتیں چونکیں اور اس کے متعلق سوچ

قربت حاصل ہوئی۔ اس وقت مولانا جامع مسجد جٹ لائن کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر بھی تھے اور میں انتظامیہ کا ایک رکن۔ مسجد چونکہ پاکستان بننے سے قبل سے ہی فوجی چھاؤنی کی تھی اس لئے اس میں امام وخطیب کی رہائش گاہ بھی تھی۔ چنانچہ مسجد کی انتظامیہ کی منظوری سے میں نے جمعہ اور عیدین کی خطابت اور رہائشی کوارٹر میں علامہ الازہری کے قیام کی مفتی صاحب قبلہ کو پیشکش کی جو منظور کرلی گئی۔ اس طرح حضرت قبلہ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جٹ لائن تشریف لے آئے' پھر کیا تھا ہر وقت کی صحبت میسر آ گئی۔

برخوردار شہید وطن ظہور الحسن بھوپالی رحمتہ اللہ علیہ اس وقت چھٹی یا ساتویں کلاس کے طالب علم تھے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی سرپرستی میں انجمن فدائیان نبی ﷺ قائم ہوئی جو بچوں کی انجمن کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس انجمن کے تحت بھی بڑے بڑے جلسے منعقد ہونے لگے اس وقت کے سفیر عراق پیر سید عبدالقادر گیلانی رحمتہ اللہ علیہ ان جلسوں کی صدارت فرماتے اور کراچی کے تقریباً تمام علماء کرام رونق افروز ہوتے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے اسکولوں اور کالجوں کے طلباء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کو متعارف کرانے کے لئے انجمن فدائیان نبی ﷺ (بچوں کی انجمن) کو متحرک کیا اور اس کے تحت سالانہ سیرت النبی ﷺ تقریری مقابلے منعقد کرائے اور ٹرافی کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نام سے منسوب کرکے شہر بھر کے کالجوں اور اسکولوں کے طلباء کو اس نام کی طرف متوجہ کیا۔ دوسری اہم بات یہ ہوئی کہ انجمن فدائیان نبی ﷺ کے تقریباً سب ہی ممبران نے علامہ الازہری صاحب کی سرپرستی کی وجہ سے دینی مشاغل کے علمبردار بن کر پورے شہر اور پورے سندھ میں مسلک حقہ کو اُجاگر کیا۔ جس کے نتیجہ میں 1970ء کے قومی انتخابات میں جماعت اہلسنت کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے جمعیت علماء پاکستان مغربی پاکستان کی دوسرے نمبر کی سیاسی جماعت بن کر اُبھری۔ ان انتخابات میں علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ بھی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اگرچہ وہ علمی مصروفیات کے سبب سیاسی جھمیلوں کو پسند نہیں فرماتے تھے پھر وہ کس طرح راضی ہوئے یہ ایک بہت لمبی داستان ہے۔ ملک میں اسلامی سوشلزم کا نعرہ بلند ہوا تو اس سے مذہبی سیاسی جماعتیں چونکیں اور اس کے متعلق سوچ

بچار کے لئے مل بیٹھیں۔ طے پایا کہ تمام مذہبی جماعتوں کی طرف سے ایک ہی مشترکہ اسیدوار سوشلزم کے حامی امیدواروں سے مقابلہ کرے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا۔ شہید وطن، ظہور الحسن بھوپالی رحمتہ اللہ علیہ جو مشترکہ اجلاسوں میں اہلسنت کی نمائندگی کر رہے تھے انہوں نے بھی کراچی سے قومی اسمبلی کی دو نشستوں کا اہلسنت کے لئے کوٹہ مانگا۔ جس پر دوسری شریک جماعتوں نے قومی اسمبلی کی ایک بھی سیٹ اہلسنت کو دینے سے انکار کردیا۔ تو پھر جماعت اہلسنت نے یہ فیصلہ کیا کہ خود جماعت اہلسنت اپنے امیدوار کھڑے کرے نتیجہ میں علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کو بھی راضی ہونا پڑا اور اس طرح سندھ اسمبلی میں بھی اہلسنت نے اتنی سیٹیں حاصل کرلیں کہ وہ دوسری پارٹی کی حیثیت سے حزب اختلاف قرار پائی۔ یہاں چونکہ سیاسی باتیں دہرانا مناسب نہیں ہے اس لئے صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی خواہش پر الیکشن میں حصہ نہیں لیا تھا بلکہ وہ اپنے معتقدین کے دباؤ میں آ کر راضی ہوئے تھے اور اس رضامندی میں ان کے اخلاق و کردار کی خوبیوں کو دخل تھا وہ باغ و بہار طبیعت، حسن سلوک سے بھرپور اخلاق والے شفقت و محبت کی عادت اور میانہ روی کی زندگی گزارنے والے عالم ہی نہیں بلکہ حقیقتاً علامہ تھے۔ ان کی تبلیغ و نصیحت کا انداز بھی بالحکمه والموعظة الحسنة کی تفسیر تھا۔

میں نے اُنھیں کبھی مخالفوں پر بھی غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ خود بھی خوش رہنا اور دوسروں کو بھی خوش رکھنا ان کی عادت تھی۔ اپنے خطبات اور تقریروں میں بھی نہایت اعلیٰ معیاری ذوق کی کوئی بات ضرور کرتے جس کی وجہ سے سامعین ہنس پڑتے لیکن ان میں بھی پند و نصیحت کا ہی پہلو ہوتا۔ ان کی نشست و برخاست، طعام و قیام اور ان کا آنا جانا اس ڈھنگ کا تھا جو سنت رسول ﷺ کے مطابق سچے مسلمانوں کا نظریہ حیات ہے۔ عفوو درگزر فرماتے تو مجرم کی قلبی کیفیت بھی حوصلہ پکڑتی اور اس کی سچی اصلاح ہوتی جبکہ پند و نصیحت تو دلوں میں اتر جاتی۔ میرے لئے تو ان کی صحبت، لاابالی طبیعت میں انقلاب کا سبب بنی۔ دنیا داری نے دینداری کا رخ کیا اور بالآخر داڑھی رکھوا کر انہوں نے مجھے خطیب بنا دیا اور میرے بیٹے شہید وطن ظہور الحسن بھوپالی رحمتہ اللہ علیہ کو ملک میں جو مقام حاصل ہوا وہ شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری رحمتہ اللہ علیہ کا ہی مرہون منت ہے بلکہ مجھے امید ہے کہ

میری مغفرت کا ایک بڑا سبب علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی رہبری و ہدایت ہوگی جس نے عین جوانی میں مجھے گمراہ ہونے سے بچا کر صراط مستقیم پر لا ڈالا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بقیہ زندگی بھی ان ہی اصولوں پر طے کرائے جو میں نے علامہ ازہری رحمتہ اللہ علیہ سے سیکھے ہیں۔
آخر میں یہ لکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے ہزاروں کی تعلیم و تربیت کا علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کو بہتر صلہ اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)۔

رحمۃ اللہ علیہ

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

ایک پارلیمنٹرین

رُکن قومی اسمبلی حافظ محمد تقی شہید سے گفتگو

ترتیب

ڈاکٹر خوشی محمد خضری

سابق مرکزی سیکریٹری جنرل انجمن طلباء اسلام، پاکستان (ATI)

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہریؒ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی وجہ شہرت ان کا شیخ الحدیث ہونا تھا۔ وہ اپنے والد کے صحیح جانشین تھے اور تقریباً پچاس سال تک تدریسِ حدیث کا سلسلہ جاری رکھا اور دینی مدارس قائم کرنے کے سلسلے میں بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔قیام پاکستان سے قبل تحریک پاکستان میں آپ نے ایک طالب علم کی حیثیت سے حصہ لیا۔ علماء اور مشائخ کے ساتھ پاکستان کے قیام کے لئے انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے قیام کے بعد انہوں نے مال غنیمت سمیٹنے کے بجائے اپنی سادگی اور درویشی کو برقرار رکھتے ہوئے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

جب ذوالفقار علی بھٹو نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگا کر میدان سیاست میں قدم رکھا تو ان کی دینی حمیّت ان کو میدان سیاست میں ازسرِنو لے آئی اور انہوں نے کہا کہ یہ نعرہ دین مبین سے مطابقت نہیں رکھتا اور بلاشبہ یہ اسلام میں پیوندکاری کے مترادف ہے۔ علماء اہلسنت نے جمعیت علمائے پاکستان کو سیاسی جماعت کے طور پر فعال بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ سوشلزم کے سیاسی نعرے کا سیاسی پلیٹ فارم سے مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ جب 1970ء

میں جے یو پی نے الیکشن لڑا تو علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کو کراچی کے حلقہ ملیر سے نامزد کیا گیا اور ان کے مقابلے میں ہماری پاک فوج کے سابق کمانڈر انچیف جنرل اکبر خان نے الیکشن لڑا۔ کراچی سے عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ، مولانا شاہ احمد نورانی رحمتہ اللہ علیہ، شاہ فرید الحق، مولانا محمد حسن حقانی، ظہور الحسن بھوپالی شہید اور دیگر حضرات بھی جے یو پی کے پلیٹ فارم سے انتخابات میں کھڑے ہوئے۔ علامہ ان میں سرخیل کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس الیکشن میں زبردست کامیابی حاصل کی۔

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے جے یو پی سندھ کے صدر کی حیثیت سے جمعیت کے قائدین کو اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور کچھ ہی عرصہ کے اندر یک اہم رہنما کی حیثیت اختیار کر گئے۔ ان کے مشوروں کے باعث جے یو پی کا ایک واضح موقف رہا۔ جمہوریت پسند طبقوں میں مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کا بڑا احترام تھا۔

قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کے بعد شومئی قسمت پاکستان ایک بڑے سانحے سے دو چار ہوا اور ملک دولخت ہوگیا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد سب سے بڑا مسئلہ آئین کی تیاری کا تھا اور علماء نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پاکستان میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کے لئے جدوجہد کریں گے۔ چنانچہ اُن کے ذہن میں یہ نکتہ موجود تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب دستور کی تیاری ہونے لگی تو اس وقت یہ مسئلہ سامنے آیا کہ مسلمان کی تعریف کیا ہوگی۔ اس وقت مولانا کوثر نیازی جو حکمراں پیپلز پارٹی کے سیکریٹری انفارمیشن اور وزیر اطلاعات ونشریات بھی تھے یہ گمان کر رہے تھے کہ علماء اپنے باہمی اختلافات کے باعث مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہوسکیں گے۔

اس موقع پر علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے مسلمان کی ایک جامع اور مکمل تعریف تحریر فرما کر قومی اسمبلی میں نمائندگی کرنے والے جملہ علماء کو دی۔ اُن کی پیش کردہ شاندار تعریف کو علمائے اہلسنت کے علاوہ اہل دیوبند، اہل تشیع، اہل حدیث اور تمام مکاتب فکر کے علماء نے یکساں طور پر نہ صرف پسند کیا بلکہ اسے تسلیم کرلیا۔ بعد ازاں تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس تعریف کو متفقہ طور پر بل کی صورت میں قومی اسمبلی میں پیش کیا تاکہ اسے آئینِ پاکستان کا حصہ بنایا جاسکے۔

ہر ایسے موقع پر جبکہ ملک و قوم کے حوالے سے علامہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بولنا ضروری ہوا' انہوں نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود مقدور بھر اپنا مثبت اور تعمیری کردار بھرپور انداز سے ادا کیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بہت کم لوگ ان کی نظیر پیش کرسکتے ہیں کہ بغیر پیسے خرچ کئے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رحمت کے صدقہ اور عوام کی حمایت سے کوئی قومی اسمبلی کا ممبر بنے۔ قومی اسمبلی کا ممبر بننے کے بعد بھی آپ نے کسی قسم کی کوئی رعایت' کسی قسم کا کوئی لین دین' کسی بھی قسم کا کوئی قرضہ یا مراعات حاصل نہیں کی، جس سے ان کا معیار زندگی بلند ہو۔

وہ ممبر قومی اسمبلی بننے کے بعد بھی ہمیشہ کی طرح بذریعہ بس یا ویگن سعود آباد سے دارالعلوم امجدیہ آیا کرتے تھے اور اس روایت کو انہوں نے قائم رکھا۔ تحریک ختم نبوت ﷺ میں بھی انہوں نے بڑا کردار ادا کیا تھا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں بھی ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مرزا ناصر الدین محمود قادیانیوں کا پیشوا تھا۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اس پینل میں شامل تھے' جس میں آپ نے ناصر محمود کے سوالوں کا تابڑتوڑ جواب دیا۔ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے نظام مصطفیٰ ﷺ کی تحریک میں بھی مرکزی رہنما کی حیثیت سے ہماری رہنمائی کی۔ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں وہ گرفتار بھی ہوئے۔ ان دنوں وہ علیل بھی تھے' شیخ الحدیث کی ذمہ داری بھی تھی۔ اس کے باوجود رہنمائی کرتے رہے۔ 1977ء کے انتخابات میں آپ نے دینی مصروفیات کے باعث ٹکٹ لینے سے معذوری ظاہر کردی۔ الیکشن کے بعد پیپلز پارٹی کی انتخابی دھاندلیوں کے سبب مارشل لاء لگا اور ضیاء الحق صاحب برسر اقتدار آ گئے اور 1981ء میں ایک مجلس شوریٰ قائم کی گئی جس کی حیثیت قومی اسمبلی کے برابر تھی۔ مجلس شوریٰ میں آپ نے یہ سوچ کر شمولیت اختیار کی کہ اس فورم سے کچھ نہ کچھ کام عوام کا ہوگا اور ہم اپنی منزل کی جانب پیشرفت کرسکیں گے۔ مجلس شوریٰ میں مجھے بھی ان کے ساتھ رہنے کا اعزاز حاصل رہا ہے اور ہم چار سال تک ایک ساتھ کام کرتے رہے۔

قانون شہادت کے سلسلے میں مجلس شوریٰ کی طویل بحث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی کوشش سے ختم ہوئی اور متفقہ طور پر قانون شہادت کے سلسلے میں

ایک رائے، مجلس شوریٰ میں قائم ہوئی جس نے بعد میں قانون کا درجہ حاصل کیا۔ وہ بیک وقت عالم دین ہی نہیں، سیاسی رہنما، ظریف الطبع اور ہر طبقے میں قابل قبول شخصیت کے مالک تھے۔ بچے اور بڑے انہیں یکساں پسند کرتے تھے۔ وہ جب اہل علم حضرات میں بیٹھتے تو وہی باتیں کرتے جو اہل علم کا معیار ہوتا ہے۔ یہ ان کی ہمہ جہت شخصیت کی خصوصی انفرادیت تھی۔ حتیٰ کہ آپ کو حیرت ہوگی خواتین کی بھی ایک بڑی تعداد مجلس شوریٰ کی ممبر تھی ایک مرتبہ ایک مسئلہ پر ایک عالم دین کی تقریر کے دوران خواتین کے اندر شدید اشتعال پھیل گیا، ساری خواتین واک آوٹ کر گئیں کہ ایک عالم دین نے ان کی تضحیک کی ہے۔ اس موقع پر کوشش کی گئی کہ خواتین اور ممبروں کے درمیان جو نفرت پیدا ہوگئی ہے وہ دور ہوجائے۔ خواتین ممبران اس بات پر متفق ہوگئیں کہ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کو بلوایا جائے اور وہ ہمیں اس مسئلے کی نوعیت سمجھا دیں تو ہم نہ صرف اپنا بائیکاٹ ختم کردیں گے بلکہ شوریٰ کی کارروائی میں بھی حصہ لیں گے اور اس طرح علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی فہم و فراست سے اس مسئلہ کو حل کرادیا۔ آپ میں خوبی تھی کہ بروقت اور موقع کی مناسبت سے بہترین فقرہ چست کرتے تھے۔ کبھی کبھی اسمبلی میں کوئی بات طنز و مزاح اور شعر و شاعری کے مرحلے میں پہنچ جاتی تو علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اس محفل کو ایک شعر سنا کر نہ صرف گرما دیتے بلکہ اس بحث کا اختتام بھی کرادیتے۔

علامہ صاحب شاعر تھے، ان کا غیر مطبوعہ کلام بھی موجود ہے، ان کی بہت سی نظمیں اور نعتیں موجود ہیں اور وہ اکثر اچھے اور معیاری اشعار سنایا کرتے تھے۔

علامہ صاحب ہرفن مولا تھے۔ وہ کھانا بہت لذیذ بنایا کرتے تھے اور اکثر شوریٰ کے اجلاسوں میں شرکت کے دوران ہمارا قیام ایک ہی کمرے میں ہوا کرتا تھا چنانچہ وہ بازار کا کھانا کھانے کے بجائے خود پکا کر کھانے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس سلسلے میں کھانے کے لئے اشیاء کی خریداری کا کام میرے ذمہ تھا۔ بس روٹیاں منگوانی پڑتی تھیں اور باقی کام ہم خود اپنے کچن میں کیا کرتے تھے۔ جس نے بھی وہ کھانا کھایا وہ داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

ایک مرتبہ مجلس شوریٰ میں روزنامہ جنگ کے خلاف تحریک پیش ہوئی میں نے قومی اخبار کی حیثیت سے اس اخبار کو سپورٹ کیا تو میر خلیل الرحمن مرحوم میرا شکریہ ادا کرنے

تشریف لائے، تو میں نے انہیں کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے دعوت قبول کرلی' میر خلیل الرحمٰن اور شورش ملک جو جنگ پنڈی کے ایڈیٹر تھے' بھی ساتھ آئے۔ ان حضرات کے علاوہ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی' عبید الرحمان ایڈووکیٹ' زین نورانی اور شرف فریدی ایڈووکیٹ بھی شریک تھے۔ جب ان حضرات کو بتایا گیا کہ کھانا حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے تیار کیا ہے تو سب حیران رہ گئے اور خوب سیر ہوکر مزیدار کھانا کھایا۔ 1985ء میں آپ نے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا اور کامیابی حاصل کی۔ اس دوران بھی آپ نے قومی اسمبلی میں موثر ترین کردار ادا کیا' مگر طرزِ زندگی وہی بسوں میں آنا، جانا اور سادہ رہنا سہنا۔

اسمبلی سیشن کے دوران اسلام آباد میں قیام کے دوران آپ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کی چھٹی میں اسلام آباد کی کسی نہ کسی مسجد میں خطاب فرماتے تھے اور لوگ خصوصاً طلبہ اور علماء بتاتے تھے کہ ان کی ایک تقریر سے کئی تقاریر کا مواد مل جاتا تھا۔ خطابت پر ان کو ملکہ حاصل تھا۔ بڑے خوش مزاج تھے لیکن جب غصہ آتا تو شدید آتا تھا۔

بھوپالی صاحب کی شہادت کے موقع پر شوریٰ کے اجلاس میں، میں نے بہت سخت لہجہ اختیار کیا تو اس وقت کے وزیر داخلہ محمود ہارون نے مجھ سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ علامہ صاحب اس بات پر کئی روز تک بے چین رہے۔ ایک روز انہوں نے اجلاس کے دوران محمود ہارون کو بلوایا اور ان سے کہا کہ آپ میرے ساتھ کھانا کھایئے۔ انہوں نے دعوت قبول کرلی اور اس طرح انہوں نے کھانے کے بہانے میری اور محمود ہارون صاحب کی مصالحت کرادی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب اسمبلی میں بحث اختتام پذیر نہیں ہورہی ہوتی تو علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اپنی اختتامی تقریر کے ذریعہ عمدگی کے ساتھ بحث کو مکمل کرادیتے تھے اور ایسے مراحل پر اکثر چیئر مین شوریٰ بھی آپ کی جانب ہی دیکھتے تھے کہ آپ آگے آئیں اور بحث کو مکمل کریں۔

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے باوجود اتنی خدمات اور بھرپور زندگی کے کبھی بھی اپنی صحت کا خیال نہیں کیا۔ جس کے باعث ان کی بیماری بڑھتی گئی۔

ماشاء اللہ ان کا خاندان بڑا تھا' فیملی کے لئے ہر وقت فکرمند رہتے تھے کہ ان کے بچے کہیں Adjust ہوجائیں مگر کبھی غیر قانونی طریقہ اختیار نہیں کیا اور کسی قسم کی مراعات نہیں لیں۔

بیماری کے دوران بھی ان کی خوش مزاجی اور گفتگو کرنے کا اعلیٰ معیار متاثر نہیں ہوا' وہ ملنے کے لئے جانے والے ہر شخص کو مسرور کر کے بھیجتے تھے۔ میں کئی مرتبہ ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ ایک مرتبہ علامہ شاہ احمد نورانی صاحب بھی ان سے ملنے کے لئے گئے تو علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ بڑی خندہ پیشانی سے ان سے ملے' ان کا احترام کیا اور وہاں بھی اپنی بذلہ سنجی کا مظاہرہ کیا۔ وہ محفل کو بوجھل نہیں ہونے دیتے تھے بلکہ زعفران زار بنائے رکھتے تھے' جو بھی ان سے ملاقات کے لئے آتا اسے متفکر نہیں ہونے دیتے تھے۔

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ واقعی ہم کسی بے مثال عالم اور ایک شفیق بزرگ کے پاس بیٹھے ہیں۔

علامہ صاحب کا انتقال اہلسنت کے لئے بڑا سانحہ ہے اور یقیناً ہمیں خوشی ہوتی کہ علامہ صاحب کے وارثوں میں علم دین کے حوالے سے کوئی قابل ہوتا' اس بات کا علامہ صاحب کو بھی قلق تھا۔ ان کے بیٹوں میں صرف ایک نے علم دین حاصل کیا تھا مگر عین جوانی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ (مولانا انوار المصطفیٰ مرحوم) وہ اس حوالے سے مغموم رہتے تھے۔

سوال : اہلسنت میں جو باہمی اختلافات رونما ہوئے اور جو گروپنگ ہوئی اس کے بارے میں علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی کیا سوچ تھی اس پر آپ روشنی ڈالیں؟

جواب : علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی شدید خواہش تھی کہ باہمی اتحاد ہو اور ان کی خواہش ہی کا ردعمل تھا کہ علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ نے اس ضمن میں عملی کوششیں کیں اور کئی بار چاہا کہ مخالف گروپوں کے درمیان مفاہمت ہو جائے اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں لیکن بدنصیبی تھی کہ بعض لوگوں کے سخت رویئے کی وجہ سے وہ کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اس بات پر بڑے رنجیدہ رہتے تھے اور آخر میں جب اتحاد و یگانگت کے حوالے سے ان کی ساری کوششیں دم توڑ گئیں تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ انہوں نے اس حوالے سے اس پر بات کرنے سے بھی گریز کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ آخر میں یہ کہتے تھے کہ حنیف طیب صاحب اور ہمارے لوگ کام کریں اور اس قدر کام کریں کہ جے یو پی کی دوسری تنظیم جس کی قیادت مولانا شاہ احمد نورانی صاحب کے پاس تھی اپنے آپ ہم میں ضم ہونے پر مجبور ہو جائے۔ ان کا دعوٰی تھا کہ جے یو پی کے بنیادی اراکین تو

ہمارے پاس ہیں' ہمارے پاس پروجیکٹ ہیں اور لوگ ہیں جو کام کرسکتے ہیں لیکن ہماری یہ کمزوری ہے کہ ہم ان کی ہدایات کی روشنی میں کام نہیں کرسکے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ شہید وطن ظہور الحسن بھوپالی سے بڑی محبت کرتے تھے' انہیں پسند کرتے تھے اور ان کی شہادت پر میں نے خود علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے' ایسے ہی آنسو جیسے ان کے صاحبزادے انوار المصطفیٰ کے انتقال پر ان کی آنکھوں سے گرے تھے۔ بھوپالی صاحب کی شہادت پر وہ بہت پریشان تھے۔ کہنے لگے یہ بڑا ہیرا تھا۔ اللہ نے ہمیں ایک نعمت دی تھی جو ہم سے چھین لی گئی ہے۔ اہلسنت کی خدمات کے حوالے سے اکثر بھوپالی صاحب کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

سوال: علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت ہمارے علماء کے لئے کیا پیغام رکھتی ہے؟

جواب: موجودہ علماء اور رہنماؤں کے لئے علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی ذات مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ انکساری' عاجزی اور شفقت کا مجسمہ تھے۔ فی زمانہ کسی ایک شخصیت میں اتنی صفات نہیں ہوتیں۔ سیاست کے علاوہ ان کی اصل خدمت درس و تدریس کے حوالے سے ہے۔ وہ طلباء کو ہر لحاظ سے مطمئن کرتے تھے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کا بڑا گہرا مطالعہ تھا' وہ مربوط گفتگو کیا کرتے تھے اور مشکل ترین مسائل بھی بڑے سہل اور سادہ انداز میں حل کردیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ربیع الاول اور گیارہویں کے مہینوں میں ہم جیسے کارکنوں کو بھی اکثر مذہبی اجتماعات میں جانا پڑتا۔ ہماری کوشش ہوتی تھی کہ ایک تقریر علامہ صاحب کی سن لیں یا ایک نشست ان کے ساتھ ہوجائے تو ہمیں پورے مہینے کی تقریروں کا مواد مل جائے گا۔

عموماً لوگ انتخابات میں سر دھڑ کی بازی لگادیتے ہیں لیکن 1970ء اور 1985ء کے الیکشن میں ہم نے انہیں نہایت ہی مطمئن دیکھا۔ وہ رمضان شریف میں اطمینان سے اعتکاف کرتے تھے' انتخابات وغیرہ کے معاملات کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیتے تھے۔

یہ ان کی خود اعتمادی اور اللہ پر بھروسہ تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے ان کی قبر پر رحمت کی بارشیں فرمائے۔ (آمین)

رحمتہ اللہ علیہ

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہوجائے

دوستی محمد فیضی

سابق رکن قومی اسمبلی وسابق صوبائی وزیر

سیاست اور سیاستدانوں سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ سیاست سے کچھ لینے کے بجائے اس پر بہت کچھ قربان کردینے والوں کی آج بھی کمی نہیں۔ اپنی خانگی زندگی کو پس پشت ڈال کر اپنے مال و جان کو داؤ پر لگانا بڑے جی گردے کا کام ہے اور یہ کام صرف میدان سیاست کے کھلاڑی ہی کرتے ہیں اور ایسے کھلاڑیوں کی کبھی کمی بھی نہیں رہی ہے اور نہ آج ہے۔ ممکن ہے پہلے سے کم ہوں مگر آج بھی ایسے اراکین اسمبلی ہیں جو اتنے بڑے حلقہ انتخاب کو سنبھالنے اور ضرورت مند ووٹروں میں اپنا بھرم رکھنے کے لئے مسلسل قرض دار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ممبران اسمبلی کا ذکر آتے ہی مرغن کھانوں، آم کی پیٹیوں اور بینک کے بلاسود قرضوں کا تصور کرنے والوں کے لئے یہ بات شاید تعجب خیز ہو، مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسے ممبران اسمبلی بھی ہیں جنہیں اپنے گھروں سے دور اسلام آباد جیسے مہنگے شہر میں رہائش رکھنے اور حلقہ انتخاب سے آنے والے مہمانوں کی خاطر کرنے کے لئے اپنی جماعتوں یا دوستوں کا زیر بار احسان ہونا پڑتا ہے۔ یہی حقیقی عوامی نمائندے ہیں اور یہ آج بھی ہیں اور کل بھی تھے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے شاعر نے کہا تھا کہ

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہوجائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

ایسے ہی پیارے ممبران میں سے ایک سابق ممبر قومی اسمبلی حضرت علامہ

عبدالمصطفٰی الازہری مرحوم بھی تھے جو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ سیاست سے دلچسپی رکھنے والوں کو ان کی سوانح کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی کی نواحی بستی میں جس 80 گز کے مکان میں رہائش اختیار کی تھی' مرتے دم تک وہیں رہے۔ حالانکہ اس دوران دو مرتبہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 4 سال تک مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ علامہ ازہری مجموعی طور پر 50 برس تک مسند تدریس پر فائز رہے مگر دنیاوی آسائشوں کا خیال کبھی قریب نہ پھٹکا۔ اب 73 برس کی عمر میں اپنی اولادوں کے لئے ایک مکان بنانا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت مکانی بنا کر اس جھنجھٹ سے بھی محفوظ فرما دیا۔

کراچی جیسے مصروف شہر میں بغیر کسی ذاتی سواری کے بسوں اور منی بسوں میں سوار رہ کر وہ شیخ الحدیث کی مسند پر رہ کر دین کا' اسمبلی کا ممبر ہو کر عوام کا اور جمعیت علمائے پاکستان' جماعت اہلسنت اور نظام مصطفٰی گروپ کے بانی کی حیثیت سے سیاست کا حق ادا کرتے رہے۔ علامہ الازہری میں دینی تفکر اور سیاسی تدبر یکجا ہو گئے تھے۔ وہ بیک وقت ایک نامور عالم دین' معتبر سیاستداں' ادیب' شاعر' اردو' عربی اور فارسی کے زباں داں تھے۔ نظام مصطفٰی کے نفاذ اور مقام مصطفٰی علیہ ﷺ کا تحفظ ان کا مشن تھا جس میں وہ زندگی کی آخری سانسوں تک مصروف رہے۔ تکبر سے محفوظ' ظرافت طبع سے آراستہ' تنظیمی صلاحیتوں سے مالا مال اور خدمت دین و وطن کے جذبے سے سرشار وہ ایک ایسی ہمہ صفت شخصیت کے حامل تھے جن کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور لکھا جانا چاہئے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے مشعل راہ بن سکے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی یاد ان کے سب چاہنے والوں کے لئے باعث تسکین ہے اور میں ان کی یاد میں اپنے آپ کو علامہ اقبالؒ کی اس دعا میں ہم آواز پاتا ہوں کہ

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ایک ہمہ جہت شخصیت

علامہ محمد حسن حقانی
سابق ایم پی اے

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ' مملکت پاکستان کے بطل جلیل' اسلام کے عظیم سپاہی' دین و مسلک اہلسنت کے شاندار قائد' قرآن و حدیث' فقہ، علوم عربیہ اور فنون اسلامیہ کے بحرِ ذخار' صوفی و درویش صفت' فاضل مدینہ' بغداد، اجمیر، بریلی اور جامعہ ازہر کی بارگاہوں اور درسگاہوں اور عظیم الشان علمی مراکز کے طالب علم و خوشہ چیں' سلف صالحین کے کردار کا عکس جمیل' عاشق محبوب خدا' شیدائے غوث اعظم' دیوانہء امام اعظم' امام اہلسنت فاضل بریلوی کے مستانے اور خانقاہ رضوی کی شمع علم کے پروانے' فاضل بریلوی کے مرید اور صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت مولانا امجد علی کے صاحبزادے' اپنے والد کے خلیفہ و سجادہ نشین' مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا ضیاء الدین مدنی اور حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہم اور ان گنت اتقیا و صوفیا سے سند خلافت حاصل کرنے والے' پچاس سال تک مسند درس و تدریس پر قال اللہ و قال الرسول کے زمزمہ نواز علامہ مولانا محمد عبدالمصطفیٰ الازہری ماجد اعظمی شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ کراچی' جماعت اہلسنت پاکستان کے سابق صدر' جماعت اہلسنت اور جمعیت علماء پاکستان کے بانی رکن اور صوبہ سندھ کی شاخ کے صدر' سابق ممبر قومی اسمبلی، سابق رکن مجلس شوریٰ اور بے شمار دینی و مذہبی انجمنوں' اداروں کے سرپرست اعلیٰ کی ذات پوری زندگی ہوش سنبھالنے سے حیات مستعار کی آخری سانس تک ایک تحریک' ایک انجمن' انقلاب مصطفوی، عشق محمدی اور ترویج و

اشاعت مذہب حق کی ایک عظیم کاوش اور جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔

یہ مفکر و مفسر و محدث و فقیہہ و مفتی 73 برس اس خاکدان عالم میں علم و فضل کے انوار و تجلیات پھیلاتے ہوئے آخرکار 18 اکتوبر 1989ء کو واصل اور شامل بجوار رحمت ہو گئے۔

ولادت

آپ کی ولادت 1916ء قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (یو پی، بھارت) میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا امجد علی صاحب صدر الشریعہ تھے جو اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ، عالم، حکیم اور مفکر تھے۔ بہار شریعت کی تصنیف ان کے علمی کارناموں میں ایک عظیم یادگار ہے۔

تقریباً چھ برس کی عمر میں امام اہلسنت کی خدمت میں حاضر کئے گئے، آپ کے والد نے آپ کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کی گود میں دیا۔ اعلحضرت نے آپ کو گود میں بٹھا کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ لعاب دہن کا تبرک عنایت فرما کر اپنے نام ''عبدالمصطفیٰ'' کے نام پر رکھ دیا۔ اس دن سے علامہ الازہری محمد عبدالمصطفیٰ کہلاتے ہیں اور فخر کرتے رہے کہ مرشد کا فیض ہے۔ مصطفیٰ کی غلامی کی سند ہے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم سے لے کر علوم و فنون اور درس نظامی کی مروجہ کتب مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں (جہاں آپ کے والد صدر مدرس تھے) والد اور دیگر اساتذہ کرام سے پڑھیں۔ 1923ء تا 1928ء اجمیر شریف بعدہٗ بریلی شریف میں دو سال تک درس نظامی کی منتہی کتب پڑھیں۔

علوم و فنون کی تکمیل

اس کے بعد 1931ء میں جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے اور وہاں تین سال تک بحیثیت طالب علم رہے اور شہادۃ اہلیہ اور شہادۃ عالیہ کی اسناد حاصل کیں۔ 1934ء میں واپسی پر پہلا حج کیا۔ بریلی شریف میں اپنے والد ماجد سے بخاری شریف اور دیگر کتب

حدیث سبقاً سبقاً پڑھیں اور 1938ء میں دستار فضیلت حاصل کی یوں آپ کا تعلیمی کیریئر 13 سال پر محیط اور عمر شریف بیس سال تھی۔ فراغت کے بعد عملی زندگی کا آغاز کیا۔

عملی زندگی کا آغاز

(1) درس و تدریس

1938ء سے ہی میں آپ نے بحیثیت مدرس دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ 1939ء تک آپ وہاں مدرس رہے 1939ء تا 1942ء تین سال آپ جامعہ رضویہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی میں مدرس رہے۔ 1942ء تا 1948ء چھ سال آپ نے ہندوستان میں یو پی کی عظیم دینی یونیورسٹی جامعہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں نائب شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1948ء میں پاکستان تشریف لاکر جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس حدیث کا آغاز فرمایا اور 1952ء تک وہاں شیخ الحدیث رہے۔ 1952ء میں لاہور محکمہ اسلامیات میں تقریباً ایک سال عربی ٹرانسلیٹر کی حیثیت سے کام کیا مگر مزاج کے موافق نہ ہونے کے باعث مستعفی ہوکر 1953ء میں جامعہ رضویہ ہارون آباد ضلع بہاول نگر میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور 1958ء تک وہاں درسِ حدیث دیا۔ اس کے بعد کراچی تشریف لاکر 1958ء سے 1989ء کے آغاز تک پورے تیس سال جامعہ امجدیہ کراچی میں شیخ الحدیث و پرنسپل کی حیثیت سے درس حدیث دیا اور ہزاروں شاگرد علماء و فضلاء، مدرسین بنائے۔

(2) دینی، ملی، سماجی اور سیاسی زندگی

تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بنارس کی سنی کانفرنس 1946ء سے لے کر قیام پاکستان تک ہندوستان میں مسلم امہ کی نشاۃ ثانیہ اور مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے انتخابی مہم میں پورے ضلع اعظم گڑھ میں دھواں دھار تقاریر فرمائیں اور مسلم لیگی امیدوار ضلع اعظم گڑھ سے کامیاب ہوا۔

1948ء میں پاکستان آ کر کچھ ایام تک سیاسی زندگی پر دینی و ملی خدمت غالب

رہی تا آں کہ 1957ء سے 1989ء تک سیاسی، سماجی اور ملی محاذ پر ملک کی عظیم اکثریت اہلسنت و جماعت کے شیرازہ بندی اور جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اہلسنت اور تبلیغ اسلام جیسی ملی مذہبی و سیاسی جماعتوں میں فعال کردار ادا کیا اور 1970ء میں سوشلزم کے نعرے کے خلاف خوش عقیدہ مسلمانوں کی صف بندی کی ۔ 1970ء کے عام انتخابات میں سوشلزم کے علمبردار میجر جنرل اکبر خان کو لانڈھی کورنگی کے حلقہ انتخاب سے 9ہزار ووٹوں سے شکست دیکر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

1958ء تا 1964ء مارشل لائی دور میں سیاسی جماعتوں (بشمول جمعیت علماء پاکستان) پر قدغن ہونے کی وجہ سے انجمن تبلیغ الاسلام کی بنیاد ڈالی اور مولانا بدایونی رحمتہ اللہ علیہ صدر اور علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نائب صدر ہوئے۔ مارشل لاء اٹھنے اور سیاسی جماعتوں کے احیاء کے ساتھ ہی علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی نائب صدر منتخب ہوئے ۔ 1966ء میں مولانا بدایونی رحمتہ اللہ علیہ سے بعض معاملات میں اختلافات کے باعث وہ اور ان کے رفقاء علامہ شاہ احمد نورانی رحمتہ اللہ علیہ، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمتہ اللہ علیہ، مولانا سعادت علی قادری وغیرہ جمعیت علماء پاکستان سے علیحدہ ہوگئے اور جماعت اہلسنت کی بنیاد 1966ء میں ڈالی گئی۔ جس کے پہلے صدر علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ نائب صدر ہوئے۔ 1966ء تا 1973ء علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اسی منصب پر فائز رہے۔

1970ء کی سنی کانفرنس منعقدہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کانفرنس اور مولانا بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد خواجہ قمر الدین سیالوی کی قیادت میں جمعیت علماء پاکستان کی نشاۃ ثانیہ پر علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اس کے نائب صدر ہوئے۔ 1973ء میں صوبہ سندھ کی شاخ جمعیت علماء پاکستان کے صدر اور مرکزی مجلس عاملہ کے رکن ہوئے۔ 1981ء تک اسی منصب پر دو بار فائز ہوئے۔ 1981ء میں مجلس شوریٰ کے رکن، 1985ء تک رہے۔ 1985ء کے عام انتخاب میں ملیر سعود آباد سے امیدوار ہوئے اور جماعت اسلامی کے ذاکر علی کو 10 ہزار ووٹوں سے شکست دے کر اس علاقہ سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور مئی 1988ء تک رکن قومی اسمبلی رہے۔ 1970ء اور 1985ء کے سیاسی دور

میں مسلمان کی تعریف کی آئین میں شمولیت کے فعال رکن، قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بل کی حمایت میں اسمبلی میں دن میں مسلسل جہاد اور راتوں کو پنجاب بھر کے شہروں میں عام جلسوں سے خطاب، گستاخان رسول کو پھانسی کی سزا دیئے جانے کی حمایت میں اسمبلی کے اندر اور باہر عظیم جدوجہد کی اور اس پر کامیابی ہوئی۔قوانین کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے قائم کمیٹی کے رکن رہے۔ عوامی نمائندگی کے زمانے کے بعض اہم اور تاریخی کارنامے، بایں ہمہ روزانہ صبح ساڑھے 7 تا 12 بجے دن حدیث شریف کا درس بھی جاری رہتا حتیٰ کہ قومی اسمبلی کی رکنیت کے زمانے میں اسمبلی کے شام کے اجلاس ہوتے تھے تو علامہ صاحب صبح علامہ عبدالغفور صاحب کے دارالعلوم بھا بڑا بازار پنڈی کے مدرسہ غوثیہ میں درس حدیث دیتے تھے۔

(3) علم و فضل

علامہ صاحب کی تعلیم و تربیت کچھ اس انداز سے ہوئی تھی کہ ایک طرف والد (فقیہ وقت حضرت صدر الشریعہ) پڑھانے والے اور تعلیم گاہ اجمیر شریف خواجہ کی نگری کا فیض تو دوسری طرف علوم و فنون کی منتہی کتب اور بخاری شریف دیگر کتب حدیث بریلی شریف میں والد ماجد سے پڑھیں تو امام اہلسنت اور مرشد کامل کے فیض کا دریا موجزن، تو تیسری طرف پوری اسلامی دنیا کی مشہور ترین قدیم یونیورسٹی جامعہ ازہر مصر سے علوم عربیہ کی مہارت اور شہادۃ اہلیہ اور عالمیہ کی اسناد، ان سب نے مل کر ان کے علم و آگہی پر گہرے نقوش چھوڑے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ پچاس سال سے زائد پر محیط درس حدیث و علوم اسلامیہ کی تدریس کے تجربات کا نچوڑ، ان کے علم وفضل اور کمال و مہارت پر شاہد عدل ہے، ہزاروں احادیث مع اسناد اور عربی ادباء وشعراء خصوصاً خطیب بغدادی کے ادبی نثر پارے ان کی زباں پر بلاتکلف بہتے تھے۔

علامہ عینی، علامہ قسطلانی ،علامہ ابن حجر کی تشریحات وتوجیہات ِحدیث زباں زد تھیں، فقہی باریکیاں تو امام اہلسنت کے روحانی فیض اور والد صاحب کی تربیت وتوجہ سے ایسی گہرائی تک اتری ہوئی تھی کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے ہرفن پر بے حد عبور تھا، اردو،

عربی، فارسی میں شعرگوئی کا بھی ذوق بدرجہ اتم تھا۔ ماجد تخلص کرتے تھے مگر شاعری کو بھی عالم ہونے کی طرح صرف اور صرف حمد الٰہی، نعت مصطفیٰ اور منقبت اولیاء کے لئے ہی محدود رکھا۔ سالانہ جلسہ دستارِ فضیلت اور عرس اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے موقع پر جو نعتیہ اشعار موزوں فرماتے، ان کی بھی بلاغت مضمون کی رفعت، تخیل کی ندرت بڑی بالغانہ ہوتی تھی۔ غرض ہمہ جہت شخصیت تھے۔ کیوں نہ ہوں کہ امام اہل سنت کا فیض سرکار بغداد وخواجہ اجمیر کی نظر کرم اور حضور رحمۃ اللعالمین کی خصوصی شفقت شامل حال رہتی تھی۔

(4)عادات و اخلاق

خوش مزاج، ظریف الطبع، سادگی، تواضع، وقار علمی، مگر درویشی و استغنا لئے ہوئے، قناعت پذیر، ہر دم دین و مسلک کی اشاعت کی دھن، کوہ استقامت، باہمت اور بڑے باحوصلہ، علماء کے قدردان، شاگردوں کے لئے ابر ریشم کی طرح نرم مگر تعلیم و تربیت میں فولاد کی طرح سخت، دنیائے فانی سے محض معاش کے حصول تک تعلق، ورنہ ہر وقت تعلیم و تدریس سے لگاؤ، فرائض کی بجا آوری میں ضرب المثل اور حقوق کے حصول میں منہمک، خود نمائی سے گریز مگر علم کی بے عزتی ناگوار، گھریلو معاملات کے ہر جز سے باخبر اور اہل خانہ کی ضروریات کا انتظام بذات خود کرنے کے لئے فکرمند، مہمان نواز، مخلص، مگر برائی کے خلاف، دل کینہ اور بغض سے پاک تھا۔ ناراض ہوتے تو وقتی ہوتے، غموں کو زیادہ پالتے نہ تھے اور دوسروں کو بھی غم روزگار میں گھلنے نہ دیتے، مرنجان مرنج بندہ مست قلندر، بات میں بات پیدا کرنا اور وہ بھی ندرت کے انداز میں حاضر جوابی کے ساتھ ان کی ذہانت کا زندہ ثبوت ہے، قوت برداشت کا مادہ بدرجہ اتم مگر جب کوئی خلاف مروت بات پاتے تو پھر ان کے عتاب کی تاب نہیں ہوتی تھی۔ چھوٹوں اور بچوں میں بچے جیسے اور بڑوں میں بڑے اور خوددار ایسے کہ اپنے کردار، علم، کمال، فضل اور دین و مسلک کو کبھی چند ٹکوں میں فروخت نہیں کیا۔ یا تو خاموش رہتے یا پھر بات کرتے تو حق کی کرتے چاہے تلخ لگے اور کبھی منکر کو ہاتھ سے بھی روکنے کا مظاہرہ فرمایا ہے۔

غرض پیکر اخلاص و وفا، مجسم سادگی، قناعت کے منبع اور استغنا کے مرکز تھے۔

انہوں نے اپنی ذات میں بہت سی خوبیاں چھپائی ہوئی تھیں، غربت کے باوجود مستحقین، یتامیٰ اور بیوگان کی مالی امداد کا میں خود گواہ ہوں۔

(5)مزاح و ظرافت

مزاح و ظرافت میں حد درجہ کمال تھا۔ یعنی تیکھا، دھیما، چبھن والا مگر ٹیس سے محفوظ مزاح، کبھی مزاح میں ظرافت تو کبھی طنز کی ایسی آمیزش کہ لوگ مسکراتے اور کچھ سیدھے سادے مولوی کی جانب سے اعلیٰ اردو اور بلند خیالی پر عش عش بھی کرتے تھے۔

بیگم نسیم جہاں سابق ایم این اے علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کو محض ایک ''ملا'' سمجھ کر اکثر ازہری صاحب پر چوٹ کیا کرتی تھیں۔ ایک دن علامہ نے اسپیکر کے حوالہ سے اس خاتون ایم این اے کو بیگم ''جھکڑ'' جہاں کہہ کر مخاطب فرمایا اور وہ اس ''نسیم'' کا صحیح بدل ''جھکڑ'' سن کر ثریا سے تحت الثریٰ تک آ گئی اور پورا ہال کشتِ زعفران بن گیا۔ نائٹ ''کوچ'' فلائٹ کو نائٹ کوچ (فارسی) Coach (سفر) فرماتے تھے۔ ناک آؤٹ (انگریزی کو) ناک (اردو)، آؤٹ انگریزی کا امتزاج فرماتے تھے۔ جو اردو میں ''سوتے ہیں'' وہ پنجابی میں ''کھوتے ہیں''۔

ایک ایم این اے کی غیر ضروری دخل در معقولات کرنے پر اسمبلی کے فلور پر طنز کی لپیٹ میں لے کر ظرافت کا پیکر بنایا کہ صاحب موصوف بغیر لام کے ''کھلوتے'' (پنجابی میں کھڑا ہونا) ہیں۔ یہ بات ان ایم این اے کے سر سے گزر گئی اور اسمبلی ہال دبی ہوئی مسکراہٹوں اور دھیمی ظرافت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس قسم کے علمی نکتے، ادبی لطیفے، مزاح و ظرافت کے اعلیٰ درجہ کے شہہ پارے اتنے کثیر ہیں کہ خود ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔

مختصراً اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ 1970ء کے انتخابات میں اپنے مخالف امیدواروں پر جہاں علامہ کی برتری کی دیگر وجوہات ہیں وہاں انتخابی معرکہ میں کامیابی کا ایک بڑا عنصر مزاح، ظرافت، حاضر جوابی اور طنز و مزاح کی آمیزش بھی تھی۔

بہر حال علامہ کی پوری زندگی جہاں ظریفانہ ٹھاٹ باٹ کی گزری وہاں علم و دانش، فراست و ذہانت، تحقیق و تدقیق میں بھی بسر کی۔ مفسرین، محدثین، فقہا، ادباء عرب اور اہل

علم و دانش و محبت سے بھرپور لگاؤ تھا' عربی زبان کے کسی لفظ کا استشہاد قرآن کی آیات' اقوال نبوی ﷺ سے اس طرح فرماتے تھے کہ حافظ قرآن و حدیث بھی کیا کرے گا۔

(6) وصال

آخر کار یہ عبقری زماں ایک ٹھنڈی رات کی صبح کو فجر کی نماز کے بعد (9 فروری 1989ء) کو فالج کا شکار ہوا اور 11 فروری کو جناح اسپتال میں داخل ہوگیا۔ سر کا آپریشن ہوا مگر ذیابیطس کے سبب تاخیر ہوگئی اور فالج کا اثر مضبوط ہوگیا تھا جو اسباب ظاہری کے استعمال کے باوجود مندمل نہ ہوا۔ تا آنکہ تقریباً آٹھ ماہ بعد (سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ) جہاں علاج کے لئے گئے ہوئے تھے 18 اکتوبر 1989ء بدھ کو صبح 4 بجے خالق حقیقی کے پاس چلے گئے۔

نماز جنازہ سانگلہ ہل میں اسی روز بعد ظہر ہوئی پھر بعد عصر فیصل آباد میں جامعہ قادریہ فیصل آباد اور جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد میں بعد مغرب ہوئی اور رات کی فلائٹ سے کراچی لایا گیا کہ اس سے قبل فلائٹ کا انتظام نہ ہوسکا تھا۔ رات 3 بجے کراچی لاکر صبح 19 اکتوبر 1989ء کو 9 بجے دارالعلوم امجدیہ میں نماز جنازہ کے بعد دارالعلوم کے ہی احاطہ میں دفن کردیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے۔ (آمین)

علامہ نے متعدد وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی فرمائی تھی کہ نماز جنازہ مفتی وقار الدین رضوی رحمتہ اللہ علیہ یا مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمتہ اللہ علیہ یا مفتی ظفر علی نعمانی رضوی رحمتہ اللہ علیہ پڑھائیں۔ اول نہ ہوں تو دوسرے' دوسرے نہ ہوں تو تیسرے ورنہ کوئی ایسا عالم پڑھائے جس کا تعلق امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ سے ہو۔ براہ راست یا بالواسطہ ہو' چنانچہ نماز جنازہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مجاز مولانا ضیاء الدین مدنی قادری رضوی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحب زادہ پیر طریقت مولانا فضل الرحمٰن مدنی رضوی مدظلہ' نے مفتی ظفر علی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ کی اجازت سے پڑھائی۔ موصوف ان دنوں پاکستان آئے ہوئے تھے۔

یوں اپنے وصال کے بعد پانچ صاحب زادگان اسرار المصطفیٰ، انصار المصطفیٰ، انتصار المصطفیٰ، ابصار المصطفیٰ، ازہار المصطفیٰ اور چار صاحبزادیاں، ام سلمہ، ام فضل، امین فاطمہ ام الخیر، بھائیوں میں استاد القراء قاری رضاء المصطفیٰ، محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفیٰ، شیخ الحدیث مولانا ثناء المصطفیٰ، مولانا بہاء المصطفیٰ، مولانا فداء المصطفیٰ اور بے شمار معتقدین، متوسلین اور تلامذہ کو سوگوار چھوڑ گئے، مرحوم کے چار صاحب زادے اور ایک صاحبزادی آپ کی حیات میں ہی انتقال فرما گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اس احقر نے مکمل تیس برس آپ کی سرپرستی میں گزارے۔ الحمدُ للہ

رحمۃ اللہ علیہ
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

شیخ الحدیث تدریسی و علمی آئینہ میں

مفتی ابوالظفر یاسین اعظمی (مرحوم)
بانی و مہتمم دارالعلوم قادریہ رضویہ ملیر، سعود آباد ٹرسٹ، کراچی

1944ء میں ہمارے والدین کریمین نے بڑے وثوق اور بھرپور اعتماد کے ساتھ مجھے اور میرے برادر محترم کو استاذ العلماء و الفضلاً حضرت علامہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ قبلہ مرحوم کے سپرد کیا۔ حضرت علامہ ابھی چند ہی سال قبل یکتائے روزگار یونیورسٹی ''جامعہ ازہر قاہرہ'' مصر سے علومِ احادیث و اصولِ احادیث۔ تفاسیر و اصولِ تفاسیر۔ فقہ و اصولِ فقہ۔ ادب عربی وعلم کلام وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل کر کے اعلیٰ سند لیکر واپس لوٹے تھے اور سب سے پہلے مبارک درسگاہ جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام بریلی شریف میں مسند تدریس کو رونق بخشی تھی۔ اس کے بعد ہندوستان کی دوسری ممتاز اور نہایت اعلیٰ اور معیاری درسگاہ جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یو پی کے نائب شیخ الحدیث کی حیثیت سے مسند تدریس پر فائز ہوئے تھے کہ ہم دونوں بھائیوں کو استاذ مشفق حضرت علامہ کی خدمت میں دینے کی پیشکش والدین کریمین نے کی۔ حضرت علامہ نے اپنے والد معظم فقیہہ اعظم ابو یوسف ثانی صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''بہار شریعت'' سے ہمارے بارے میں تذکرہ فرما کر اجازت چاہی۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بہت خوش ہوئے اور اجازت عطا فرمائی اور چونکہ محلّہ کریم الدین پور (باغیچہ) میں صدر الشریعہ قبلہ کی کوٹھی کے بالکل قریب ہی ہمارا گھر ہے، صدر الشریعہ قبلہ نے ہمیں بلوا بھیجا اور ہمارے سروں پر دست شفقت پھیرا اور حضرت علامہ سے فرمایا ان دونوں بچوں کو اپنے ساتھ ہی مبارک پور لے

جاؤ اور اشرفیہ مصباح العلوم میں داخلہ دلوا دو اور انکی تعلیم و تربیت کا پورا اہتمام کرو۔ چنانچہ چودہ سال کی عمر میں فارسی کی پہلی اور آمدن نامہ ایک ماہر فارسی استاد حضرت مولانا سید شمس الحق علیہ الرحمہ کے پاس شروع کی۔

جب پہلا سال ختم ہوا تو گلستان بوستاں تک پہنچ چکے تھے اور پڑھی ہوئی کتابوں کے سالانہ امتحانات بحمدہٖ تعالیٰ اچھے نمبروں سے پاس کئے۔ دوسرے تعلیمی سال میں گلستاں بوستان کے بقیہ حصے کی تعلیم کے ساتھ میزان منشعب اور نحومیر بھی شروع ہوگئیں اس عرصہ میں حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ قبلہ پوری توجہ کے ساتھ ہماری نگرانی فرماتے رہے اور وقتاً فوقتاً محنت سے سمجھ کر پڑھنے کی تاکید فرماتے رہے اور بسا اوقات اسباق کی پوچھ گچھ بھی فرماتے رہے۔

جب میزان منشعب اور نحومیر مکمل یاد کرلی تو ایک روز امتحان لیکر فرمایا کہ اب تم اور تمہارے ساتھی ادب عربی پڑھنے کے لئے تیار ہوجاؤ چنانچہ ہم نے اس وقت داخل نصاب ابتدائی ادب عربی کی کتاب دروس الادب مدرسہ کے کتب خانہ سے حاصل کرکے، شیخ الادب حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ قبلہ کی خدمتِ اقدس میں ان کے گھر حاضر ہوگئے۔

طریقۂ تدریس

حضرت علامہ کے پڑھانے کا طریقہ بڑا عجیب وغریب پایا۔ ہمیں بڑی دلچسپی ہوئی اس لئے کہ پڑھانے کا طریقہ نہایت دلچسپ اور بڑا ہی موثر تھا۔ ۵-۷ روز کتاب پڑھانے کے بعد فرمایا کل سے کاپی، قلم و دوات لیکر تم سب آؤگے۔ جب حاضر ہوئے تو ہماری کاپیوں پر خانے بنادیئے اور فرمایا لے جاؤ اور اپنے کمروں کی جتنی چیزیں اردو میں لکھ سکو، الگ الگ خانوں میں لکھ کر لاؤ۔ میں کل ان تمام الفاظ کی عربی لکھ دوں گا جسے تم لوگ یاد کرلینا۔ مدرسہ میں واپس آکر ہم نے بنیاد سے لیکر ستون اور چھت، طاقچہ، الماری، کیل کانٹے، اینٹ، پتھر، قلعی اور رنگ و روغن وغیرہ کوئی 50 سے زائد الفاظ لکھ کر لے گئے۔ حضرت علامہ ضروری تصحیح و ترتیب کے بعد ہر ایک اردو لفظ کے سامنے ہر ایک کی کاپی پر

برجستہ عربی کے فصیح و بلیغ الفاظ مفردات تحریر فرماتے جاتے اور زبان سے صحیح تلفظ بتاتے جاتے۔ پھر فرمایا کہ ان الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ زبانی یاد کر کے کل سنانا۔ پھر حکم فرمایا کہ مدرسہ کی جتنی چیزوں کے نام اردو میں لکھ سکتے ہو ہر ایک کو اسی ترتیب سے لکھ کر لانا۔ دوسرے روز ہم لوگوں نے دیئے گئے تمام عربی الفاظ (مفردات لغات) بڑے ہی ذوق و شوق سے زبانی یاد کر لئے اور تقریباً ڈیڑھ سو الفاظ مزید لکھ کر پیش کر دیئے۔ علامہ قلم برداشتہ ان تمام الفاظ کی عربی لکھتے جاتے اور ان کے صحیح تلفظ بھی بتاتے جاتے۔ پھر فرمایا تم لوگ یہ بھی یاد کر لانا اور کل ٹرین کے بارے میں جتنے الفاظ لکھ سکتے ہو لکھ کر لانا۔ چنانچہ ہم نے ٹرین کے ڈبہ، لائن، انجن، پٹڑی، اسٹیشن، سگنل، مسافر، سامان، ٹی ٹی، ڈرائیور، ٹکٹ گھر، ٹکٹ بچوں کے قد ناپنے کی لکڑی جو ٹکٹ گھر کی کھڑکی کے سامنے نصب ہوتی ہے، زنجیر، کوئلہ، آگ، بھاپ، پہیہ، شفٹنگ وغیرہ تمام چیزیں لکھ کر لے گئے اور پچھلے یاد سنا دیئے۔ پھر فرمایا ہوائی جہاز اور پانی کے جہاز کے سلسلہ میں بھی لکھ کر لاؤ۔ چنانچہ ہم لوگ پہلا یاد کر لیتے اور دوسرے الفاظ لکھ کر پیش کر دیا کرتے۔ یہ سلسلہ تقریباً ۳-۴ ہفتہ تک جاری رہا جس کے نتیجہ میں ہم لوگوں کو ہزاروں چیزوں کے عربی نام اور ان کے صحیح تلفظ ازبر ہوگئے۔ ہمارے ساتھیوں کے علاوہ پورے مدرسہ میں کسی لڑکے کے پاس اتنا زیادہ ذخیرۂ الفاظ اس وقت نہ تھا اور اب دروس الادب کی ترتیب کے لحاظ سے عربی سے اردو۔ اردو سے عربی جملے لکھوانے شروع کرائے اور اصلاح کے درمیان صرف ونحو کے قوانین (گرامر) کی پوچھ گچھ بھی رکھتے اور ساتھ ہی ساتھ عربی رسم الخط پر خاص توجہ بھی دلاتے اور ہم ہر ممکن اپنی اصلاح کرتے۔

دوسرے سال فارسی کا نصاب مکمل ہوگیا اور جب تیسرا سال شروع ہوا تو اب خالص عربی کتب ہمارے ہاتھوں میں رہنے لگیں اور چونکہ عربی پڑھنے، لکھنے، سمجھنے اور بولنے کے لئے عربی زبان کے قواعد (گرامر) کا جو مشکل ہی نہیں مشکل ترین ہیں، پڑھنا اور ان کا ذہن نشین کر لینا پھر ان کا جاری کر لینا، انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کسی کو عربی آ ہی نہیں سکتی۔ اس لئے حضرت علامہ ادب عربی کے ساتھ اجراء قوانین عربیہ پر بھرپور توجہ دیتے۔ اس لئے چھ ماہ میں ہم اپنے اندر خاصی استعداد اور قوت محسوس کرنے لگے۔ حضرت

علامہ نہایت محبت و محنت اور دلچسپی سے انتہائی مشفقانہ اور کریمانہ انداز میں علم عطا فرماتے۔ جس کی وجہ سے سب ساتھیوں میں ذوق حصول علم پیدا ہونے لگا اور ہم اپنے آپ کو ایک مہربان استاد کا مرہونِ منّت تصور کرتے۔ اسی دوران صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بھی کبھی کبھار صرف و نحو، ادب کے اسباق کی پوچھ گچھ فرمالیتے اور غلط یا نامکمل جوابات کی اصلاح فرماتے اور محنت سے پڑھنے کی تاکید فرماتے۔

ہم تمام ساتھی حضرت قبلہ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کے طریقۂ تعلیم سے کچھ اس قدر مانوس ہوگئے کہ ہم میں پڑھنے کے ذوق کے ساتھ تتبع و تحقیق، جستجو و تدقیق کا شوق بھی ابھر آیا اور ہر ایک کتاب علامہ کے طرز میں پڑھنے پڑھانے کی خواہش عادت ثانیہ بن گئی۔ چنانچہ نحو ہو یا صرف، ادب ہو یا منطق، فقہ ہو یا اصول فقہ، حدیث ہو یا اصول حدیث، تفسیر ہو یا اصول تفسیر، فلسفہ ہو یا ہیئت، علم کلام ہو یا علم میراث۔ کسی بھی استاد کے پاس پڑھنے بیٹھتے تھے تو لفظی و معنوی تحقیق و تدقیق، سیاق و سباق اور اعتراضات و جوابات وغیرہ کے بغیر تشنگی دور نہیں ہوتی۔ ہمارے اس مزاج نے ہم کو مطالعہ کا عادی بنا دیا اور مطالعہ و سبق کو لازم و ملزوم قرار دے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم میں سے ہر ساتھی ہر سبق کے لئے مطالعہ ضرور کرتا اور سبق کے بعد ہم آپس میں اس کی تکرار کم از کم ایک بار ضرور کرتے۔ ہمارے دیگر اساتذہ بھی بحمدہ تعالیٰ نہایت اعلیٰ قابلیت اور انتہائی بلند استعداد کے مالک تھے اور بڑے مشفق و مہربان بھی لیکن ہم میں ذوق تعلیم و تتبع دراصل حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ قبلہ نے ہی پیدا فرمایا۔

جیسے جیسے کتابیں اونچی ہوتی گئیں، حضرت علامہ اسی قدر بحث و تحقیق کا معیار بڑھاتے چلے گئے اور جب منطق و فلسفہ، ادب عربی، فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث کی اونچی کتابیں ہم نے علامہ سے پڑھنا شروع کیں تو ہمارے اعتراضات کے جوابات میں علامہ کی جو برجستگی ہوتی وہ بڑی حیران کن ہوتی۔ بڑی سے بڑی استعداد کے مالک طلبہ کے لئے آپ کے دوچار جوابی جامع الفاظ نہ صرف یہ کہ تشفی و تسلی کے باعث ہوتے بلکہ ان کی ہمہ گیری بڑی حیرت انگیز ہوتی۔ بسا اوقات مزاح کے انداز میں پوری طرح ذہن نشیں کرادیتے۔ اکثر علماء کرام آپ کو شہنشاہ مزاح کہا کرتے۔

حضرت علامہ اس قدر حاضر دماغ تھے کہ مشکل سے مشکل قوانین و اصول، خواہ نحو کے ہوں یا صرف کے، فقہی اصول کی موشگافیاں ہوں یا مسائل فقہیہ۔ علم منطق کے لاینحل امور ہوں یا فلسفہ کے۔ ہر وقت علامہ کی زبان مبارک پر جاری ہوجاتے اور ایسا محسوس ہوتا کہ پورے قوانین آپ کے ذہن رسا میں حاضر ہوگئے ہیں۔ کہیں بھی الجھتے اور سوچتے نظر نہیں آتے تھے۔ اگر آپ کے بتائے ہوئے قوانین و اصول پر کبھی شبہ گزرتا اور اس فن کی کتاب کھولتے تو ان کی پوری تائید و تصدیق ہوجاتی۔ ایک اور تفسیر پڑھتے ہوئے **لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ آمنین** کی لفظی ولغوی و معنوی تشریح وتفسیر تفصیلاً بیان فرما چکے تو میں نے ازراہ تفنن علم نحو کے ایک قانون کے پیش نظر کہا کہ ظرف مکان مبہم میں فی کا استعمال لازم وضروری ہوتا ہے بغیر فی کے ایسے جملوں کا استعمال ناجائز ہوتا ہے (کتب نحو) لہٰذا اس آیۃ کریمہ میں **لتدخلن فی المسجد الحرام** ہونا چاہئے تھا۔ یہاں نحوی قاعدہ کے بالکل خلاف ہے تو برجستہ فرمایا کہ دخل کے معنی میں خود ظرفیت ہے اور اس فعل کے بعد فی کا لازم استعمال درست ہے اس کے بعد استشہاد و استدلال میں عربی کے کئی اشعار پڑھ کر ثابت کیا کہ قدیم و جدید شعراء عرب اسی طرح استعمال کیا کرتے تھے اور کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی یہ خصوصیت تھی کہ جس قدر معترض طالب علم ذہین ہوتا تھا اسی قدر لطیف انداز میں اس کو جواب مرحمت فرماتے اور کبھی کسی طالب علم کو اعتراض سے منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اعتراض پر ابھارتے اور جب کوئی علمی اعتراض اٹھاتا اور حقیقتاً وزن دار ہوتا تو فوراً نہ صرف جواب دے کر مطمئن فرما دیتے بلکہ اس کا ایک بار ایسا رد فرماتے کہ معترض یہ خیال کرنے لگتا کہ شاید اس نے بڑا پھسپھسا اعتراض کیا ہے۔ اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن بعد میں حوصلہ افزائی فرما دیتے۔

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ بحیثیت مناظر

حضرت علامہ پاکستان بننے کے ایک سال بعد ہی 1948ء میں بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ محمدی ضلع جھنگ پنجاب تشریف لائے اور ان کے ساتھ میں بھی آیا۔ 1949ء میں

ایک بڑا مشہور و معروف عالمی مبلغ شمس الدین شمس قادیانی نے مناظرہ کا چیلنج دیتے ہوئے دعویٰ کیا کہ برصغیر پاکستان و ہندوستان اور مشرق وسطیٰ اور براعظم افریقہ' امریکہ وغیرہ میں کہیں بھی آج تک بڑے سے بڑا معارض و مناظر میرے اعتراضات کے جوابات نہ دے سکا۔ حق تو میرے پاس ہے اور مرزا غلام احمد اور ان کے ساتھی برحق ہیں کوئی عالم، کوئی فاضل اور مناظر ہے تو لاؤ تم لوگ بھی دیکھ لو اس چیلنج کے بعد لوگ جامعہ محمدی میں آئے اور علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ قبلہ سے ملے' حالات سے آگاہ کیا۔

حضرت علامہ علیہ الرحمۃ مناظرہ کے لئے تیار ہوئے اور گھوڑے پر مناظرہ گاہ کے لئے چل دیئے جو دور دراز ایک دیہات میں تھا۔ میں اور میرے دیگر ساتھی بلکہ جامعہ محمدی کے تمام طلباء کرام اور اساتذہ عظام بھی اس دلچسپ مناظرہ کے مناظر دیکھنے اور سننے پیدل نکل کھڑے ہوئے اور تقریباً 35 میل کی مسافت طے کرنے کے بعد منزل پر پہنچے۔ وقت مناظرہ تیزی سے قریب تر ہوتا جارہا تھا ایک موقع پر حضرت علامہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مشکل یہ نظر آتی ہے کہ لوگ پنجاب کے اکھڈ دیہاتی معلوم ہوتے ہیں جن کی زبان خالص ٹھیٹھ پنجابی ہے اور میں پنجابی جانتا ہی نہیں۔ میں تو اردو میں تقریر کروں گا۔ یہ بیچارے دیہاتی کیا سمجھیں گے۔ تو لوگوں نے بہ اصرار کہا کہ حضور کوئی فکر نہ کریں آپ کی بات جب ہم لوگ سمجھ رہے ہیں تو آپ کی تقریر بھی ہم سمجھ لیں گے۔ آپ بسم اللہ کریں۔ چنانچہ دونوں طرف آمنے سامنے اسٹیج بنایا گیا اور عوام درمیان میں بیٹھے۔

اجراء نبوت موضوع بحث طے پایا۔ شمس پنجابی بہت اچھی جانتا تھا۔ پنجابی میں روانی کے ساتھ تقریر شروع کی۔ علامہ علیہ الرحمۃ نے اپنی باری پر اردو میں تقریر فرمائی۔ پورے دیہاتیوں نے جوابی تقریر و استدلال سنا اور خلاف توقع علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی نہ صرف تقریر سمجھ رہے تھے بلکہ جواب اور استدلال بھی سمجھ رہے تھے اور خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ شمس قادیانی نے اجراء نبوت کے سلسلہ میں جتنی آیتیں اور حدیثیں پڑھیں' حضرت علامہ نے ان سب کے جوابات نہایت خوبصورتی کے ساتھ دیئے اور پھر اعتراضات وارد فرمائے۔ قادیانی نے جس کے جواب میں ادھر ادھر کی بے بنیاد باتیں بکیں۔ اس کے اوسان اس کا ساتھ چھوڑتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک موقع پر بخاری و مسلم شریف کی وہ

حدیث جس میں فرمایا گیا ہے کہ میری اور جملہ انبیاء کرام کی مثال اس خوبصورت محل کی ہے جو نہایت حسین و جمیل بنایا گیا ہے۔ جس میں کوئی عیب اور کوئی نقص نہیں ہے لیکن ایک جگہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے، دیکھنے والوں نے اس خوبصورت عمارت کو گھوم گھوم کر دیکھا تو سوائے ایک اینٹ کی خالی جگہ کے ساری عمارت جس کا حسن و جمال تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ دیکھنے والوں نے کہا کہ اس عمارت میں سوائے اس ایک اینٹ کی خالی جگہ کے دوسری کوئی کمی و نقص نہیں ہے۔ (حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا) میں نے آ کر اس جگہ کو پُر کردیا اور مجھ پر (میرے بعد) لوگوں کی آمد کا سلسلہ بند ہوگیا اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس خالی جگہ کی اینٹ ہوں اور میں تمام نبیوں میں پچھلا ہوں۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی آمد سے عمارت مکمل ہوگئی۔ کہیں کسی قسم کا کوئی سوراخ باقی نہیں رہا۔ یعنی نبیوں کے آنے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ حضور کے بعد کوئی بھی شخص رسالت و نبوت کے مرتبہ پر فائز نہیں ہوسکتا۔ اب اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے گا تو نقب ڈالے گا اور چوز اچکا ہوگا تو کیا؟ غلام احمد قادیانی کو یہ سمجھ لیا جائے کہ نقب زن ہے نا؟ جس پر لوگ بڑے محظوظ ہوئے اور ادھر شمس قادیانی بڑا خفیف ہوا۔ ایک موقع پر شمس قادیانی نے آیت کریمہ

اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدا والصالحین ..... الخ پڑھ کر استدلال کیا کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح قیامت تک شہداء و صالحین (نیک لوگ) آتے رہیں گے۔ نبی بھی وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ وہ ان لوگوں میں ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا ہے اور وہ لوگ نبی ہوں گے۔ صالحین ہوں گے اور شہداء ہوں گے۔ شمس نے اجراء نبوت کی دلیل میں اس آیت مقدس کو پڑھا اور مندرجہ بالا اس کا مطلب نکالا۔ لیکن جب علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی باری آئی تو اس آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ بیان فرمایا اور درست مفہوم واضح کیا۔ پھر فرمایا کہ شمس قادیانی نے تو اس آیت کا بالکل غلط ترجمہ اور مطلب بیان کیا۔ اس آیت میں مع کا لفظ ہے جس کے معنی ساتھ کے ہیں اور جس کے صاف اور واضح معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے اور منھم علیھم نبی، شہداء، صالحین ہیں یعنی نیک لوگ نبیوں، شہیدوں اور ولیوں کے ساتھ ہوں

گے۔ نہ یہ کہ وہ خود نبی و شہداء وغیرہ ہو جائیں گے۔ شمس قادیانی نے اپنی باری پر بڑی لمبی باتیں کیں اور اجراء نبوت کی دلیل مذکورہ آیت کو بنائی اور اس پر بڑا زور لگایا۔

لیکن حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی باری پر سخت مواخذہ فرمایا اور فرمایا کہ مع کے معنی عین شئی ہو جانے کے نہیں ہیں اگر عین شئی کے لئے جائیں جیسا کہ شمس نے بیان کیا تو بالکل غلط ہوگا۔ کیونکہ اگر میں کہوں رائت **شمسا مع الحمار** تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میں نے شمس کو گدھے کے ساتھ دیکھا لیکن اگر شمس کا ترجمہ کیا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ میں نے شمس کو گدھا دیکھا۔ یعنی شمس گدھا ہو گئے مگر مجھے یقین ہے کہ شمس اس ترجمہ سے انکار کریں گے اور کبھی منظور نہ کریں گے۔ علامہ کی یہ بات سن کر لوگوں نے بڑا لطف لیا اور دیر تک ہنستے رہے اور پوری مناظرہ گاہ کشت زار زعفران بنی رہی اور خوشی میں لوگوں نے خوب نعرے بلند کئے اور نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت ﷺ سے فضاء پر عظمت و پر رونق ہو گئی اور شمس کے چہرے میں پیلاہٹ اور اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ بیچارہ شمس قادیانی جو پہلے ہی سے پھیکا پڑ رہا تھا اب بالکل مبہوت و ششدر ہو گیا اور اس کی بولتی پر صدمہ پڑ گیا اور اسٹیج چھوڑ بھاگا۔

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ فاتح قادیانیت قرار پائے اور فتح کے خوب نعرے بلند ہوئے۔ شمس قادیانی سالانہ ان دیہاتوں میں آیا کرتا تھا اور اپنی شیطانیت پھیلاتا تھا اور بہت سے لوگوں کو متاثر کر لیا تھا۔ اس مناظرہ کے بعد شمس نے جن لوگوں کو متاثر کر لیا تھا' انہوں نے صدق دل سے توبہ و استغفار کیا اور سب لوگوں نے شمس قادیانی کو نہایت سختی سے کہا کہ خبردار آج کے بعد ادھر کا رخ نہ کرنا۔ چنانچہ راتوں رات اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے بھاگ گیا' پھر واپس کبھی نہ آیا۔

شمس جب میدان مناظرہ سے اٹھ کر اپنے کمرہ میں گیا تو کچھ لوگ اس کے پاس گئے اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔ انہوں نے شمس کو یہ کہتے سنا کہ میں نے ایسا عالم اب تک نہیں دیکھا تھا۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے میرے استدلال کو جس طرح مسترد کیا ہے اور جو معنی بیان کئے ہیں وہ حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ لاجواب ہیں۔ مجھے کبھی کسی سے اس طرح کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ بڑے ذہین اور بڑے ہی ذی علم

ہیں۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ مدرسہ میں واپس تشریف لائے اور رات کو سوئے تو خواب میں سرکار دوعالم ﷺ کی زیارت ہوئی اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک کاغذ کا پرزہ عنایت فرمایا۔ علامہ نے جو اس پر نظر کی تو آیت مذکورہ اولئک الذین انعم اللہ علیھم..... الخ تحریر تھی۔ علی الصباح اٹھ کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز فجر کے بعد سب لوگوں کو ٹھہر جانے کا اعلان فرمایا اور یہ مبارک خواب بیان فرمایا اور فرمایا کہ میری فتح مندی اللہ ورسول کی جانب سے ہے اور مجھے سرکار کی زیارت کے ساتھ فتح مندی کا مقدس پروانہ بھی عطاء فرمایا گیا۔ یقیناً یہ حضرت علامہ کے لئے بہت بڑی بشارت وسعادت ہے۔

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ بحیثیت شاعر

علامہ موصوف میدان شاعری کے بھی اعلیٰ شہسوار تھے اور زبردست سخن دان تھے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے زیر اہتمام رمضان المبارک میں آپ کے گھر ''قادری منزل'' میں سالانہ نعتیہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا جس میں دور دور سے بڑے بڑے شعراء کرام شرکت کرتے۔ اس مشاعرہ کی بڑی شہرت تھی۔ اس وقت ہم مبتدی لوگ اشعار کہنا تو درکنار، تک بندی بھی نہ کر پاتے تھے لیکن کوشش ضرور کرتے اور اصلاح کے لئے سیدی وسندی حضرت علامہ استاذ العلماء الحاج فخر الاسلام محمد عبدالمصطفیٰ الازہری بن صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے پاس لے جاتے اور تقریباً ۵-۷ منٹ میں اشعار اعلیٰ بندش کے کہہ کر دیدیا کرتے تھے جسے ہم لوگ اچھی طرح یاد کرلیا کرتے تھے اور مشاعرہ میں سنا کر خوب داد حاصل کیا کرتے۔ ان ایام میں علامہ موصوف بے شمار نعتیں کہہ کر شائقین کرام کو دیتے اور جب وہ لوگ سناتے تو ہر طرف سے کلمات تحسین بلند ہوتے اور محفل مشاعرہ کا رنگ بدل جاتا۔ اب بھی جب کبھی علامہ موصوف اشہب قلم کو اشارہ فرماتے تھے تو اچھے اچھے کہنہ مشق شعراء پیچھے دکھائی دیتے تھے۔ آپ ماجد تخلص کرتے تھے جو بچپن کے نام کا ایک جزو ہے۔

آخر میں جب آپ کی باری آتی تو سب لوگ سنبھل کر بیٹھ جاتے اور ایک ایک مصرعہ بلکہ الفاظ کی ہر ترکیب کو ہمہ تن گوش ہوکر سنتے اور جب وسعت معنی پر نظر کرتے تو چھوٹے بڑے شعراء اور دیگر اہل ذوق سامعین داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ عجیب وغریب سماں بندھ جاتا۔ ۱۲-۱۴ اشعار کی نعت شریف ختم ہوجاتی مگر لوگوں کی تشنگی ختم نہ ہوتی۔ نمونہ

کے طور پر چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

نبی ایسے ہیں بیشک معجزہ ہے بال بال انکا
مگر ہے آیۂ کبریٰ لب شیریں مقال انکا
ہے درماندہ پر پرواز شاہین تخیل بھی
اٹھاتا ہے سر عرش بریں نقش نعال انکا
عیاں ہے انکے جسم پاک پر یوں ایک حال انکا
اذان فجر دینے کے لئے آیا بلال انکا

انہی پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ بے شمار نعتوں کا مجموعہ آپ کے تلامذہ کے پاس موجود ہے۔

حزب الاحناف لاہور میں سال چھ ماہ میں نعتیہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا' جس کا اہتمام میں اور میرے برادرِ محترم خود کیا کرتے تھے۔ جس میں منتہی طلبہ کرام کے علاوہ دوسرے شعراء بھی شریک ہوتے تھے اور امام اہلسنت شاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے نعتیہ دیوان کا کوئی مصرع ''مصرع طرح'' رکھتے تھے اور بڑے ذوق وشوق سے طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ یہ صرف اور صرف علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کا فیض تھا کہ ہم کامیابی کے ساتھ لاہور میں مشاعرہ کرتے۔

جب ہارون آباد جامعہ رضویہ منظر اسلام میں بحیثیت مدرس حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ قبلہ نے بلایا تو وہاں بھی اس مبارک محفل کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ ایک مشاعرہ میں حضرت علامہ ماجد الازہری علیہ الرحمۃ صدارت فرما رہے تھے جس میں میں اپنا نعتیہ کلام سنا رہا تھا جب میں نے درج ذیل شعر پڑھا تو علامہ نے برجستہ ادیب کا خطاب عطا فرمایا اور بہت خوش ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔

ہمارے قلب حسرت شیخ کا فرقت میں کیا کہنا
تمہاری یاد میں اے جان عالم پارہ پارہ ہے

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ بحیثیت سیاستدان

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ انتہائی ذہین تھے۔ قدرت نے بڑی ہی صلاحیت اور

خاص ذہن کا مالک بنایا تھا۔ ہر علمی و فنی اور دینی امور میں یوں فٹ ہوجاتے تھے جیسے انگشتری میں نگینہ۔ مذہبی‘ سماجی‘ سیاسی‘ معاملات نہایت احسن طریقہ سے نبھاتے تھے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں پیش کردہ مسلمان کی تعریف علامہ کا ایک نمایاں کارنامہ ہے جس کو منظور کرکے قومی اسمبلی نے تاریخِ پاکستان کا ایک عظیم کام کیا۔ حضرت علامہ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا تھا اور آپ کی ترغیب سے ہم شاگردوں نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا۔ 1946ء کی آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں بھی شرکت فرمائی۔ حضرت علامہ کے ساتھ یہ راقم الحروف بھی شریک ہوا۔ اکثر علماء کرام سے حضرت علامہ نے فرداً فرداً ملاقات فرمائی اور آپ کے طفیل ناچیز بھی ان کی زیارت اور ملاقات سے مشرف ہوا۔ حضرت علامہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ نہایت بابرکت و عظیم بزرگ تھے۔ ان سے ملکر طبیعت باغ باغ ہوگئی۔

حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ دو مرتبہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، جبکہ 1981ء میں ضیاء الحق کی تشکیل کردہ مجلس شوریٰ کے ممبر نامزد ہوئے۔

علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ بحیثیت مفسر قرآن

1953ء میں جب حضرت علامہ جامعہ رضویہ منظر اسلام ہارون آباد بہاولنگر میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریسی امور انجام دے رہے تھے۔ چند ذی علم احباب کے اصرار پر قرآن مجید کی تفسیر لکھنا شروع فرمائی۔ یہ راقم الحروف بھی اس وقت اسی جامعہ میں علامہ کے ماتحت تدریسی کام پر مامور تھا۔ تدریس کے بعد فارغ اوقات میں جو بھی وقت میسر آتا علامہ کے ساتھ تعاون کی غرض سے حاضر ہوجاتا تھا پھر عربی‘ فارسی کتب سے تفاسیر و احادیث کا انبار ہوتا اور حضرت علامہ ہوتے اور ان کے ہمراہ ہم لوگ ہوتے اور چونکہ علامہ کو قرآن مجید و کتب احادیث پر بڑا عبور تھا اور رب کائنات نے آپ کو ذہنِ رسا سے نواز رکھا تھا‘ ہفتوں کے کام کو دنوں میں‘ دنوں کے کام کو گھنٹوں میں اور گھنٹوں کے کام کو منٹوں میں کرلیا کرتے تھے۔

حوالہ جات جتنی جلدی حضرت علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نکال لیا کرتے تھے‘ ہم

نے دوسرے علماء کرام کو نہیں دیکھا۔ بلکہ جو لوگ مشکل مسائل میں یا حوالہ جات میں کئی کئی روز سے یا کئی کئی گھنٹوں سے الجھے ہوئے ہوتے' حضرت علامہ کی خدمت میں جب آجاتے، آپ اسے اسی وقت حل فرما دیا کرتے۔ حضرت علامہ کی ذہانت و حاضر دماغی کے تو سبھی لوگ قائل تھے اس پر مستزاد یہ تھا کہ ظرافت طبع اور زندہ دلی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اسی لئے علماء کرام آپ کو شہنشاہ ظرافت کہہ دیا کرتے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک بہترین مفسر و محدث کیلئے اعلیٰ ذہانت و فطانت' ظرافت و زندہ دلی اور فہم و فراست ضروری اور لازم ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ جب عام طور پر عوام میں درس قرآن دیتے اور لوگ ذی علم' وکلا' بار ایٹ لاء اور جسٹس و دیگر دانشور و علماء ہوتے تو قرآن مجید کی تفسیر احادیث کریمہ سے کرتے دیکھے جاتے تھے اور اقوال علماء مجتہدین کو بھی استشہاداً نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔ جسے سن کر لوگوں کا ذوق و شوق بڑھ جاتا اور نہ صرف یہ کہ محظوظ ہوتے بلکہ آپ کی علمیت اور ذہانت و فطانت پر حیرت زدہ ہوتے۔ آپ کی محفل تفسیر قرآن سے جب لوگ اٹھتے تو بہت کچھ لیکر جاتے۔ علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ درحقیقت ہم سب کے لئے گرانقدر سرمایہ تھے۔ جلیل القدر علماء کرام کو یہ فرماتے سنا گیا کہ متن احادیث کریمہ جس قدر علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کے دماغ میں محفوظ ہے کسی اور کو یہ خوبی میسر نہیں۔

چنانچہ چند مہینوں میں پورے قرآن مجید کی تفسیر تحریر فرمادی جو تفسیر الازہری کے نام سے موسوم ہے۔ ٹھٹھائی کمپاؤنڈ نے جس کی طباعت کی ذمہ داری لی تھی اور اسی وقت ۵ پاروں کی طباعت کرادی تھی۔

تفسیر ازہری، آپ کے علم و فن کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ یوں تو حضرت علامہ کی انمٹ قلمی خدمات اور بہت سی ہیں جو عربی اور اردو زبان میں ہیں کچھ پاکستان کے متعدد مجلّات میں چھپتے بھی رہتے تھے۔ بالخصوص الجامعہ جھنگ' رضوان لاہور' ترجمان اہلسنت کراچی' علاوہ ازیں متعدد کتب ہائے عربی' فارسی پر حواشی اور فٹ نوٹس بھی لکھے ہیں جو بہت ہی مفید ہیں۔ علامہ نے مذہبی' سماجی' سیاسی بے شمار خدمات انجام دی ہیں جن کا احاطہ اس وقت ممکن نہیں۔ حضرت علامہ اعلیٰ علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور یہ سب کچھ ان کے اپنے بزرگوں کے فیوض و برکات تھے۔ خصوصاً والد محترم صدر الشریعہ مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت علیہ

الرحمۃ اور امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ محدثِ بریلوی جن کی نظرہائے کیمیا اور عنایات نے علامہ کو گوہر تابدار اور مینارہ انوار بنا دیا تھا۔

حضرت علامہ کا وصال پُر ملال

16 ربیع الاول شریف 1410ھ بروز منگل بوقت فجر بمطابق 18 اکتوبر 1989ء یہ جلالۃ العلم و الفن اپنے خالق و مالک سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. دارالعلوم امجدیہ کراچی میں آپکا مزار مقدس ہے جو مرجع خواص وعوام ہے۔ حضرت علامہ 32 سال سے مسلسل دارالعلوم امجدیہ ہی میں شیخ الحدیث اور پرنسپل کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ آپ کے صاحبزادہ انتصار المصطفیٰ سلمہ قادری امجدی مسند سجادگی پر فائز ہوئے۔ جن کے زیر اہتمام حضرت کا عرس مبارک ہر سال ربیع الاول کے آخری جمعہ کو دارالعلوم امجدیہ کراچی میں ہوتا ہے۔

حضرت علامہ کا مختصر نسب نامہ

محمد عبدالمصطفیٰ ماجد الازہری بن صدر الشریعہ مولانا امجد علی بن مولانا جمال الدین بن مولانا خدا بخش بن مولانا حافظ خیر الدین علیہم الرحمۃ۔

رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد صاحب

صاحبزادہ محمد انتصار المصطفیٰ اعظمی

والد صاحب کا معمول تھا کہ آپ ہمیشہ فجر سے پہلے اٹھا کرتے تھے۔ تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد نمازِ فجر ادا کرتے۔ اس دوران چائے چولہے پر چڑھا دیتے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رات کے روٹی سالن سے ناشتہ کرتے اور دارالعلوم امجدیہ کے لئے روانہ ہو جاتے۔ دارالعلوم پہنچنے والوں میں آپ پہلے فرد ہوتے۔ یہ سلسلہ 30 سال رہا۔ مجھ سے علامہ حسن حقانی نے خود فرمایا کہ شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ کوئی مدرس ازہری صاحب سے پہلے پہنچا ہو۔ دورانِ تدریس کسی کو فون نہیں کرتے اور لوگوں سے ملنے سے بھی گریز کرتے۔ آپ سادہ الائچی کا پان کھاتے تھے۔ مگر دورانِ تدریس پان بھی نہیں کھاتے۔ تدریس کے وقفے میں گلاس میں چائے پیتے۔ چائے صرف تین ٹائم پیتے تھے۔ صبح، تدریس کے وقفے میں اور شام میں۔ ظہر کے بعد کچھ دیر دارالعلوم میں آرام کرتے۔ گرمیوں میں سہ پہر تک مدرسے میں رہتے ورنہ مدرسے کے فوراً بعد گھر کے لئے روانہ ہو جاتے۔ 1970 میں جب آپ قومی اسمبلی کے ممبر بنے تو جب بھی اس سلسلے میں امجدیہ سے چھٹی لی اِس کا مشاہرہ نہیں لیا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ جتنے دن پڑھایا ہے صرف اتنے ہی دن کی تنخواہ دی جائے۔

والد صاحب نے تمام عمر بس میں سفر کیا۔ آپ بس کے خالی ہونے کی امید میں بس اسٹاپ پر کھڑے نہیں رہتے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ بس اسٹاپ پر بھی تو کھڑے ہی رہنا ہے تو کیوں نہ بس میں ہی کھڑے ہو کر سفر کر لیا جائے۔ صرف آخری دو تین سالوں میں دارالعلوم کی گاڑی سے مدرسے آتے جاتے رہے۔

والد صاحب مغرب کی نماز مسجد طیبہ ملیر میں ادا فرماتے ، جہاں کے وہ خطیب تھے۔ مسجد میں ان ہی کے شاگرد حافظ عبدالباری امام تھے۔ مغرب سے عشاء تک آپ مسجد کے گیٹ کے سامنے اسحاق صاحب مرحوم کے گھر کے چبوترے پر بیٹھ جاتے ، جہاں دینی و دنیاوی مختلف امور پر گفتگو ہوتی۔ کبھی عشا کی نماز سے پہلے گھر آجاتے اور کھانا کھانے کے بعد گھر پر نماز پڑھتے۔ کبھی نماز پڑھ کر گھر تشریف لاتے پھر کھانا کھاتے۔ عشاء کے بعد عموماً کسی نہ کسی پروگرام میں تشریف لے جاتے اور رات گئے واپس آتے۔ پروگراموں میں والد صاحب کی کوشش ہوتی کہ پہلے تقریر کر کے جلد گھر پہنچ جائیں۔ جب تک آپ نہ آجاتے ہماری والدہ صاحبہ جاگتی رہتیں۔ 1985 سے پہلے جب والد صاحب مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ میرے گھر میں والد صاحب نے دفتر بنایا۔ جہاں وہ مغرب سے عشاء تک لوگوں کے مسائل سنتے اور انھیں حل کرنے کی کوشش کرتے۔ اس کام میں کبھی کبھی رات کا ایک بھی بج جاتا۔ اسلام آباد میں ہوتے تو روزانہ عشاء کے بعد دارالعلوم غوثیہ بھابڑا بازار راولپنڈی میں درسِ حدیث دیا کرتے۔

ملنے والوں سے زیادہ تر گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھ کر گفتگو کرتے۔ محلے کے بچوں، بڑوں، سب سے نہایت شفقت سے پیش آتے اور ان سے ہنسی مذاق بھی کرتے۔ وہ لوگوں کا احسان لینا نہیں چاہتے تھے۔ مگر میں نے دیکھا کہ جب وہ بس سے اترتے تو محلے کے لڑکے زبردستی ان کا سامان خود ان سے لے لیتے اور گھر تک پہنچاتے۔ مجھے یاد نہیں کہ والد صاحب کبھی تنہا گھر تشریف لائے ہوں۔ مسجد بھی جاتے تو لوگ ان کے ساتھ ہوتے اور واپس آتے تو بھی لوگ ان کے ساتھ ہوتے۔ ہم نے انھیں کبھی بچوں کو مارتے نہیں دیکھا۔ آپ اپنے بچوں، پوتوں، نواسوں سے بہت شفقت کرتے مگر انھوں نے ہمیشہ اپنا رعب اور دبدبہ بچوں پر قائم رکھا ہوا تھا۔ آپ بہنوں سے کھڑے ہو کر ملتے۔

گھر کے مالی اور انتظامی امور والدہ صاحبہ کے ذمے تھے۔ ہم اپنا جیب خرچ بھی والدہ سے لیتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے ہی اپنی بچت سے مختلف قیمتوں میں مکان خرید کر چھ بیٹوں کو دیئے۔ اس طرح ہمارے حصے میں بھی ایک مکان آ گیا۔ والد صاحب اور والدہ نے از خود کسی بیٹے کو علیحدہ نہیں کیا۔ بلکہ جس جس کا مکان ہوتا گیا وہ از خود علیحدہ ہوتا گیا۔ بلکہ

طور پر جو بھی کمی بیشی ہوتی، والدہ صاحبہ ہمیشہ ہمارے ساتھ تعاون کرتیں۔ والدہ صاحبہ نے اس سلسلے میں کبھی کسی کے ساتھ امتیاز نہیں برتا۔

جس کمرے میں والد صاحب آرام فرماتے، وہاں دورانِ آرام ہمیں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ملیر سعود آباد بلاک ایس ون میں سولہ سو روپے میں اسی اسی گز کے دو کوارٹروں کی جوڑی خریدی گئی تھی، جن میں ہم لوگ رہتے تھے۔ اس میں 80 گز کا ایک کوارٹر والدہ صاحبہ نے انوار المصطفیٰ کے نام سے اور دوسرا کوارٹر اسرار مصطفیٰ کے نام سے خریدا تھا۔ ہمارے کوارٹر میں ایک کمرہ پر پکی چھت پڑی تھی ایک پر ٹین کی چادریں تھیں۔ صحن کچا تھا۔ گھر میں بہت بڑا بادام کا درخت تھا۔ ایک درخت سیج نا کی پھلیوں کا تھا۔ ان پھلیوں کو ہم سالن میں بھی استعمال کرتے تھے۔ ہمیں گرمیوں میں عشاء تک اور سردیوں میں مغرب تک باہر رہنے کی اجازت تھی۔ غیر شادی شدہ بھائی اوپر رہا کرتے تھے۔ والد صاحب اکثر جمعہ میں اس کمرے میں پہنچ جاتے اور صفائی فرماتے وہ کہا کرتے تھے کہ یہ کیا جانوروں کی طرح سو جاتے ہو اور صفائی وغیرہ نہیں کرتے۔

والد صاحب اکثر مسجد میں اذان ہوتے ہی پہنچ جاتے تھے۔ جب آپ جمعہ کی خطابت فرماتے تو زیادہ تر ہال بھرا ہوتا تھا۔ ہم نے انھیں اکثر عصر اور مغرب کے درمیان تلاوت کرتے اور دلائل الخیرات پڑھتے دیکھا۔ رمضان المبارک میں مسجدِ طیبہ میں اعتکاف فرماتے۔ ہماری والدہ بتاتی ہیں کہ اعتکاف کا یہ عمل نوجوانی سے جاری ہے۔ آخری سال وہ اعتکاف نہیں کر سکے۔ 1970 کے الیکشن میں آپ لانڈھی، کورنگی، ملیر، ڈرگ کالونی کے علاقے سے قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر 128 سے امیدوار تھے۔ عید الفطر کے بعد الیکشن تھے اور رمضان المبارک میں الیکشن مہم اپنے عروج پر تھی کہ والد صاحب اپنے معمول کے مطابق مسجد طیبہ میں اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ اس پر مخالفین نے یہ مشہور کر دیا کہ ازہری صاحب الیکشن میں بیٹھ گئے ہیں۔ اس وجہ سے مسجد میں بے شمار کارکنان جمع ہو جاتے مگر آپ فرماتے کہ الیکشن تو ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے مگر میں اعتکاف میں بیٹھتا رہوں گا۔ بہر کیف اعتکاف کے بعد عید کی چاند رات کو والد صاحب نے پوری رات اپنے حلقے

دورہ کیا۔ پھر الیکشن ہوئے جس میں والد صاحب نے کامیابی حاصل کی۔ دوسرے نمبر
پیپلز پارٹی کے ریٹائرڈ میجر جنرل اکبر خاں اور تیسرے نمبر پر جماعتِ اسلامی کے صابر حسین
شرفی رہے۔

والد صاحب اگر گھر پر ہوتے تو عصر کے بعد گھر کے باہر کی صفائی کرتے اور پانی
چھڑکتے تھے۔ لباس سفید اور سادہ پہنتے تھے۔ کپڑے کی سفید ٹوپی پہنتے اور سفید رومال
دونوں کندھوں پر ہوتا۔ جمعہ میں سفید یا کتھئی عمامہ اور سفید، کالا یا کتھئی جبہ لازمی پہنتے۔ گھر
میں تہبند اور آستین والی بنیان پہنتے تھے۔ جمعہ کے دن کپڑے خود دھوتے۔ بچوں کو خود
نہلاتے۔ اگر گھر پر ہوتے تو سبزیاں خود بناتے۔ بلکہ بعض اوقات کھانا بھی خود پکایا کرتے۔
اپنے کُرتے میں بٹن وہ خود ٹانکا کرتے۔ باٹا کی چپل نہیں پہنتے تھے۔ والد صاحب کھانے
میں سبزی زیادہ پسند کرتے خصوصاً چنے کی دال گوشت میں کدو پسند فرماتے۔ ہمارے ہاں
کھانا سرسوں کے تیل میں پکتا تھا۔ ڈالڈا نہیں استعمال ہوتا تھا۔ البتہ تلو گھی استعمال ہوتا تھا۔
والد صاحب کھانا کھانے میں اعتدال کو اختیار فرماتے تھے۔ کولڈ ڈرنک میں سیون اپ پسند
فرماتے۔

والد صاحب نے جتنی سادہ زندگی بسر کی۔ شاید ہی آج کوئی ایم این اے اور
سیاسی رہنما ہو جو اس طرح کی زندگی بسر کرتا ہو۔ اب تو متوسط طبقے کی ترجمانی صرف
اخباری بیانات کے ذریعے رہ گئی ہے۔ والد صاحب آج ہم میں نہیں مگر ان کی دعائیں آج
بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ آج ہم جو کچھ بھی ہیں اپنے خاندان کے بزرگوں کے دعاؤں کی وجہ
سے ہیں۔

برادرِ محترم رحمۃ اللہ علیہ

گفتگو: قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی

ترتیب: معین الدین نوری

ہمارے والد محترم صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت علمی و دینی حلقوں میں تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی تصنیف ''بہارِ شریعت'' فقہ پر اردو زبان میں ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ایک متمول اور زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ 1932 میں آپ نے قادری منزل کے نام سے ضلع اعظم گڑھ میں ایک عالیشان کوٹھی بنوائی۔ جس کے لئے بریلی سے خاص انجینئر ضلع اعظم گڑھ بلوائے گئے تھے۔ یہ کوٹھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور 50-40 میل تک قریب و جوار میں اس کوٹھی کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مگر وقت کے مجدّد اعلحضرت الشاہ احمد رضا خان کی صحبت نے کوٹھی بنوانے والی شخصیت میں درویشی اور فقر پیدا کر دیا تھا۔ میرے والد صاحب (صدر الشریعہ مولانا امجد علی) کہا کرتے تھے کہ'' علماء کے لئے درویشی وفقیری لازمی ہے۔ جیسا کہ 10 میں سے اگر ایک ہٹا دیا جائے تو صفر رہ جاتا ہے، اِسی طرح اگر کسی عالِم میں فقر و درویشی نہ ہو تو وہ شخص عالم کہلانے کا مستحق نہیں''۔ یہ ہی وجہ ہے کہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی نے پوری زندگی بوریہ نشیں ہوکر درس و تدریس کی۔ آپ نے ساری زندگی دین کی خدمت میں اعظم گڑھ سے باہر گزاری۔ سال میں صرف دو ماہ اعظم گڑھ آتے تھے۔

1916ء میں بریلی شریف میں ہمارے والد مولانا امجد علی کے ہاں کریمہ خاتون سے تیسرے بچے کی ولادت ہوئی۔ اس وقت صد الشریعہ بریلی میں اعلحضرت کے مدرسے ''منظرِ اسلام'' میں مدرس تھے۔ فرائضِ تدریس کے علاوہ مطبعِ اہلسنت کا انتظام اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے شعبۂ علمیہ کی صدارت بھی آپ کے ذمے تھی۔ مولانا امجد علی نے

اپنے اِس بیٹے کا نام محمد رکھا۔ ولادت کے ساتویں دن عقیقے کے موقع پر مولانا امجد علی اپنے صاحبزادے کو لے کر اپنے پیر و مرشد، اعلحضرت الشاہ مولانا احمد رضا خاں محدثِ بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت سے بچے کا نام تجویز کرنے اور دعا کرنے کی درخواست کی۔ اعلحضرت نے نو مولود کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ آپ نے بچے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور دَم فرمایا۔ اعلحضرت نے بچے کے نام میں عبدالمصطفیٰ کا اضافہ تجویز فرمایا اور مولانا امجد علی کو پیش گوئی کی کہ تمہارا یہ بیٹا بہت ہی ذہین اور بہت ہی عظیم ہوگا۔ اور انشاء اللہ تمہارا یہ نائب، عالم و فاضل بنے گا اور جہاں تک نام کا تعلق ہے وہ میں اپنا نام آپ کے بیٹے کو دیتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کا نام احمد رضا خاں تھا۔ بعد میں اعلحضرت نے خود اپنے نام میں عبدالمصطفیٰ کا اضافہ کیا۔ لہٰذا دستخط اور فتاویٰ میں عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں لکھا جاتا تھا۔ صدر الشریعہ کو یہ نام اتنا پسند آیا کہ انھوں نے ماضی کے تمام خاندانی قافیئے ردیف ترک کر کے، بعد کے تمام صاحبزادوں کے نام اسی طرز پر رکھے۔

بریلی شریف کے علمی، دینی اور روحانی ماحول میں عبدالمصطفیٰ کی پرورش شروع ہوئی۔ محمد عبدالمصطفیٰ نے ابتدائی تعلیم دار العلوم منظرِ اسلام بریلی میں مولانا احسان علی مظفر پوری سے حاصل کی۔ ناظرہ قران شریف محلّہ کریم الدین پورہ اعظم گڑھ کے مکتب میں پڑھا۔ 1921ء میں جس وقت اعلحضرت نے وصال فرمایا۔ اُس وقت ننھے عبدالمصطفیٰ کی عمر تقریباً 8 سال تھی۔ ازہری صاحب کی والدہ اُن کے بچپن میں انتقال کرچکی تھیں۔ تاہم والد صاحب کی شفقت نے والدہ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔

1924ء میں صدر الشریعہ منظرِ اسلام بریلی سے ''مدرسہ معینیہ عثمانیہ'' اجمیر آگئے۔ آپ کے ہمراہ عبدالمصطفیٰ بھی تھے۔ یہ مدرسہ، حیدرآباد دکن کے نواب صاحب نے قائم کیا تھا اور سید نثار احمد صاحب اس کے مہتمم تھے۔ مولانا امجد علی نے اس مدرسے میں 120 روپے ماہوار پر صدر مدرسین کے فرائض سنبھال لئے۔ اسی مدرسے میں مولانا سردار احمد بھی زیرِ تعلیم تھے، جو بعد میں محدثِ اعظم پاکستان کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولانا سردار احمد نے اجمیر سے سندِ فراغت حاصل کی تو مولانا امجد علی نے اُنھیں بریلی میں مدرسہ منظرِ اسلام میں بطورِ مدرس تعینات فرمایا۔ (29 دسمبر 1962ء کو مولانا سردار احمد نے کراچی

میں انتقال فرمایا۔ آپ کی نمازِ جنازہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے پڑھائی، بعد ازاں آپ کی میت کو لائل پور لے جایا گیا، اور وہاں آپ کی تدفین عمل میں آئی) مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں مولانا مفتی امتیاز احمد، مولانا حکیم سید عبدالحی اور والد صاحب سے درسِ نظامی کی مروّجہ کتب پڑھنے کے بعد عبدالمصطفیٰ 1931 میں جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے۔ برصغیر میں عبدالمصطفیٰ سمیت چار طلبہ تھے جو حصولِ علم کیلئے قاہرہ گئے۔ جبکہ والد صاحب 1933ء میں دوبارہ اعلیٰحضرت کے مدرسہ منظرِاسلام بریلی چلے گئے۔ اس وقت مدرسہ منظرِ اسلام کے دیگر مدرسین میں مولانا سردار احمد، حضرت مولانا احسان الٰہی، حضرت مولانا سردار علی خاں، جو اعلیٰحضرت کے خاندان سے تھے، اور مہتمم مولانا تقدس میاں صاحب شامل تھے۔ یہاں دیگر طلبہ کے علاوہ مفتی وقار الدین بھی زیرِ تعلیم تھے۔ مدرسہ منظرِ اسلام میں تقریباً دو تین سال تدریس وصدر مدرسین کے فرائض سرانجام دینے کے بعد صدر الشریعہ ریاست دادوں ضلع علی گڑھ میں "مدرسہ حافظیہ سعیدیہ" میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ملحقہ عربی کا یہ ادارہ، وہاں کے مختلف نوابوں نے مل کر قائم کیا تھا۔ جن میں نواب ڈھولنہ، نواب چھتاری، نواب سر مزمل اللہ خاں، نواب سر حبیب اللہ خاں شیروانی، نواب سر غلام محمد اور نواب ابوبکر خان قابلِ ذکر ہیں۔ نواب ابوبکر خاں نے اپنے والد حافظ محمد سعید کے نام پر مدرسہ حافظیہ سعیدیہ قائم کیا تھا اور اس کے لئے کافی جاگیر اور پورے کے پورے گاؤں وقف کردیئے تھے۔

1934 میں عبدالمصطفیٰ، جامعہ ازہر سے شہادۃ اہلیہ اور شہادۃ عالیہ کی اسناد لے کر حج کرتے ہوئے واپس ہندوستان آئے۔ اس وقت والد صاحب دادوں ضلع علی گڑھ میں "مدرسہ حافظیہ سعیدیہ" میں صدر مدرس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ یہاں عبدالمصطفیٰ ازہری، تفسیرِ بیضاوی تا آخر سورۂ بقرہ، تشریح الافلاک، شرح چغمنی، صدرا، بخاری شریف، نسائی شریف، شرح معانی الآثار امام جعفر طحاوی، ہدایہ، اخیرین، توضیح، تصریح کے اسباق میں شریک رہے۔ اس مدرسے میں مفتی وقار الدین بھی آپ کے ہم سبق رہے، جو مدرسہ منظرِ اسلام بریلی سے آئے تھے۔

1938ء میں عبدالمصطفیٰ ازہری اور مفتی وقار الدین علی گڑھ کے اِسی مدرسے

سے فارغ التحصیل ہوئے اور سندِ فراغت حاصل کی۔علامہ ازہری کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی شعبۂ اسلامیات کے صدر علامہ سیّد سلیمان اشرف صاحب نے علامہ ازہری کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پڑھانے اور شعبہ اسلامیات میں نائب بنانے کی پیش کش کی۔اس پیش کش کا تذکرہ عبد المصطفیٰ ازہری نے والد محترم مولانا امجد علی سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ عبدالمصطفیٰ تمہیں پیدائش کے بعد اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔انھوں نے تمہارا نام رکھا۔ میں نے تم کو پڑھایا اور مصر بھیجا۔تم شیخ الحدیث عالم ، قابل اور فاضل بھی ہوکر آئے ہو۔تم یہ کرسیوں پر بیٹھ کر پڑھانے کے بجائے چٹائی پر بیٹھ کر پڑھاؤ اور درس و تدریس میں فقیری و درویشی اختیار کرو۔ ابا حضور نے ازہری صاحب کو علی گڑھ یونیورسٹی کے بجائے 1939ء میں بریلی میں مدرسہ منظر اسلام، مسجد بی بی جی میں درس و تدریس کے فرائض سنبھالنے کا حکم دیا۔جہاں ازہری صاحب کی تنخواہ 10 روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ جبکہ علامہ سیّد سلیمان اشرف صاحب نے 150 روپے ماہوار کی پیش کش کی تھی۔صدر الشریعہ نے ساتھ ہی آپ کے ہم مکتب مفتی وقار الدین کو بھی بطورِ مدرس بریلی بھیج دیا۔جن کی تنخواہ 7 روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ بریلی میں دونوں دوست ایک ہی کمرے میں رہائش پذیر رہے ۔ بریلی میں تقریباً تین سال تدریس کرنے کے بعد، علامہ ازہری جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ چلے گئے اور وہاں 1948 تک نائب شیخ الحدیث کے فرائض سر انجام دیئے۔ یہاں حافظ عبدالعزیز شیخ الحدیث تھے۔ جبکہ مفتی وقار الدین 1948 تک بریلی میں مدرس اور ناظم تعلیمات رہے۔ بعد ازاں مشرقی پاکستان تشریف لے گئے۔ 1970 میں کراچی آئے اور مفتی ظفر علی نعمانی صاحب کے قائم کردہ دارالعلوم امجدیہ میں پھر دونوں دوست یکجا ہوگئے۔اور آج بھی دارالعلوم امجدیہ میں دونوں دوستوں کے مزارات ایک ہی کمرے میں واقع ہیں۔

دینی مدارس میں عموماً ماہ شعبان اور رمضان میں دو ماہ کی چھٹیاں ہوتی ہیں۔ 1948ء کے رمضان المبارک کے بعد مولانا امجد علی نے حج کیلئے رختِ سفر باندھا۔آپ نے 18 شوال کو حج کی غرض سے بریلی شریف کے لئے روانہ ہونا تھا، جہاں سے مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی قیادت میں 150 افراد کا قافلہ بمبئی روانہ ہو رہا تھا اور بمبئی سے

بذریعہ بحری جہاز حجازِ مقدس روانگی ہونا تھی۔ اُس وقت بحری جہاز کا سفر تقریباً تین ماہ کا ہوتا تھا۔ روانگی سے قبل مولانا امجد علی نے عید الفطر کے دوسرے روز سے ہی عبدالمصطفیٰ ازہری پر زور دیا کہ وہ 7 شوال تک جامعہ محمدی جھنگ پہنچ کر درس و تدریس کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ جامعہ محمدی والے کئی مرتبہ بذریعہ خطوط اس کی درخواست کر چکے تھے۔ ازہری صاحب آبدیدہ ہو گئے اور والد صاحب سے درخواست کی کہ مجھے حج کیلئے تو آپ کو رخصت کرنے کی مہلت دیجئے، مگر والد صاحب نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو ذمہ داری میں تم پر ڈال رہا ہوں وہ زیادہ اہم ہے۔ 11 شوال سے دینی مدارس میں تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ اور تمہیں 7 شوال تک جھنگ پہنچ جانا چاہیے تاکہ اسباق کی تقسیم اور تعلیمی اُمور کو منظم کرنے کا وقت مل جائے۔ اس وقت تک پنجاب میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو چکا تھا۔ لہٰذا ازہری صاحب نے والد صاحب کی ہدایت کے مطابق پاکستان کیلئے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ آپ اجمیر شریف، بیکانیر، جھیکہ میر، جیسل میر سے ہوتے ہوئے گنگا نگر کے راجھستانی علاقے میں پہنچے اور پھر وہاں سے اونٹوں کے ذریعے 12-10 میل کا سفر طے کر کے فورٹ عباس پاکستان میں داخل ہوئے۔ فورٹ عباس سے بذریعہ ٹرین جھنگ پہنچ گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو شاگرد مفتی غلام یسین اور اُن کے چچا زاد بھائی علامہ خلیل اشرف بھی تھے۔

اُدھر 18 شوال کو صدر الشریعہ اپنی اہلیہ ہاجرہ خاتون (ہمشیرہ علامہ ارشد القادری) کے ہمراہ بریلی کیلئے روانہ ہوئے۔ راستے میں شدید بخار نے اُنھیں آ گھیرا۔ بریلی پہنچے تو مفتی اعظم ہند نے اُنھیں مشورہ دیا کہ وہ کچھ دن آرام کر کے، بعد میں بمبئی آ جائیں۔ امجد علی نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو قدم دیارِ حبیب ﷺ کی طرف اُٹھ چکے ہیں، اب وہ قدم نہیں رکیں گے۔ صدر الشریعہ بیماری کی اسی حالت میں قافلے کے ہمراہ بمبئی روانہ ہو گئے۔ آپ شدید علالت کی حالت میں بمبئی پہنچے۔ آپ کی کیفیت کے باعث بمبئی میں آپ کے مرید پلیٹ فارم تک کار لے کر آ گئے۔ آپ بہت مضطرب تھے۔ آپ پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی۔ اس حالت میں آپ کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

؎ مرضت شوقا و مت هجرا　　فکیف اشکوا الیک شکریٰ

آپ علالت کی اسی شدت میں مولانا سبحان اللہ صاحب سے نعت سنانے کی بھی

فرمائش کرتے۔ ڈاکٹروں کی تشخیص تھی کہ اگر دو دن میں بخار نہ اُترا تو یہ جان لیوا بھی ثابت ہوسکتا ہے۔اور بالآ خر مریض ہجر سے صحبتِ فراق برد شت نہ ہوئی۔ ادھر دو دن بعد 2 ذیقعدہ 1367ھ بمطابق 6 ستمبر 1948ء رات بارہ بج کر چھبیس منٹ پر بحری جہاز نے دیارِ نبی کی جانب روانگی کی وسل دی۔ اور اُدھر امجد علی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد، والدہ صاحبہ کی خواہش تھی کہ تدفین اعظم گڑھ میں ہو۔لہٰذا آپ کے مریدین نے آپ کے جنازے کے لئے ایک اسپیشل ٹرین کی۔ جو 24 گھنٹے چل کر بمبئ سے اعظم گڑھ پہنچی اور املی باغ قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

علامہ ازہری صاحب کو والد صاحب نے کہا تھا کہ چونکہ ہم اعظم گڑھ سے باہر درس و تدریس اور دین کی خدمت ہی میں رہے ہیں۔ لہذا تم بھی یہ طریق اختیار کرو اور اپنے آپ کو پاکستانی ڈیکلیئر کر کے پاکستان میں ہی دین کی خدمت کا فریضہ سرانجام دو۔ علامہ ازہری والد صاحب کی ہدایت پر پاکستان میں ہونے اور راستے کے حالات خراب ہونے کے باعث والد صاحب کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوسکے۔

ازہری صاحب نے نہ تو حکومتِ پاکستان سے جائیداد کا کلیم حاصل کیا اور نہ ہی والد صاحب کی وراثت سے کوئی حصّہ وصول کیا۔ اگر وہ چاہتے تو بہت بڑی جائیداد کے مالک بن سکتے تھے، اس لئے کہ ابا حضور کی ہندوستان میں بہت بڑی جائیداد تھی۔ مگر ازہری صاحب کی درویشانہ طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ کہیں ہندوستان میں دیگر عزیز و اقارب کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔انھوں نے اپنا آبائی وطن، اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور اپنا گھر بار محض دین کے لئے چھوڑ دیا اور بے سروسامانی کی حالت میں پاکستان تشریف لے آئے۔

بہرحال علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، مال و دولت اور علم و فضل ، ہر اعتبار سے صاحبِ حثیت تھے۔آپ جامعہ محمدی جھنگ میں تھے کہ حکومت پاکستان کے محکمۂ اسلامیات کو ایک عربی ٹرانسلیٹر آفیسر کی ضرورت ہوئی۔ ازہری صاحب نے 1250 روپے ماہوار

پر یہ ملازمت اختیار کر لی۔ مگر جلد ہی اِس سرکاری افسری کو خیر باد کہہ دیا۔ ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد ازہری صاحب نے مجھے (قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی) خط میں لکھا کہ میں یہ ملازمت کر کے دلی طور پر بہت مضطرب تھا۔ مجھے رات بھر صحیح طرح نیند بھی نہیں آتی تھی اور ابا جان کی یہ بات مجھے بار بار یاد آتی تھی کہ عبدالمصطفیٰ میں نے تمہیں کرسیوں پر بیٹھ کر دین کی خدمت کے لئے نہیں پڑھایا لکھایا بلکہ تمہیں چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کا کام کرنا ہے۔اس کے بعد علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کے ذریعے علامہ ازہری کو نواب محمد صادق آف بہاولپور کی جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں تدریس کی پیش کش کی گئی۔ مگر والد صاحب کی تربیت اور ہدایت کے باعث ازہری صاحب کی فقیرانہ طبیعت نے اسے بھی قبول نہ فرمایا۔ اس کے بعد علامہ کاظمی نے اُنھیں ہارون آباد میں ایک زیرِ تعمیر مسجد سے ملحقہ مدرسے جامعہ رضویہ منظرِ اسلام ہارون آباد ضلع بہاولنگر میں شیخ الحدیث کی پیش کش، کی ۔ علامہ ازہری نے علامہ کاظمی کی اس آفر کو خوش دلی سے قبول فرمایا۔ اسی مدرسے سے ازہری صاحب کے دیرینہ شاگرد مفتی محمد غلام یسین ،علامہ محمد خلیل اشرف اور دیگر سینکڑوں طلبہ فارغ التحصیل ہوئے۔ ہارون آباد کے مدرسے میں علامہ عبد المصطفیٰ ازہری نے ''احسن البیان'' کے نام سے قرآن کی تفسیر کا آغاز فرمایا۔ جس کی اشاعت کے لئے مکتبہ ٹھٹھائی کمپاؤنڈ کے مفتی ظفر علی نعمانی صاحب سے رابطہ کیا۔ بعد ازاں مفتی ظفر علی نعمانی نے فیروز شاہ اسٹریٹ آرام باغ میں مکتبۂ رضویہ قائم کیا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ازہری صاحب کی مکمل تفسیر ہمیں دستیاب نہ ہو سکی ۔ صرف پندرہ پاروں کی تفسیر مل سکی جبکہ مفتی محمد غلام یسین صاحب کا کہنا ہے کہ ازہری صاحب نے پورے قرآن کی تفسیر فرمائی تھی۔

ازہری صاحب ہر سال پاکستان سے انڈیا جاتے تھے اور چاہتے تھے کہ پاکستان میں بھی ان کا خاندان بڑھے ۔ انھوں نے والدہ سے درخواست کی کہ بڑے بھائی شمس الھدیٰ مرحوم کی دونوں صاحبزادیوں شریف النساء اور صغیر النساء کو پاکستان لے جانے کے اجازت دیں۔ غالباً 1953 یا 1954 میں ازہری صاحب اپنی اِن دونوں بھتیجیوں کو لے کر پاکستان آ گئے۔ یہاں مفتی ظفر علی نعمانی اپنی پہلی اہلیہ کے وصال کے بعد دوسری شادی کے خواہشمند تھے۔ لہٰذا ازہری صاحب (ساکن ہارون آباد) نے اپنی بھتیجی شریف النساء کا عقد

مفتی ظفر علی نعمانی (ساکن کراچی) سے اور صغیر النساء کا نکاح حفیظ اللہ (مولانا انوار المصطفیٰ کے سالے) سے فرما دیا۔ حفیظ اللہ بعد ازاں ہارون آباد سے کراچی آ گئے اور ڈرگ کالونی نمبر 5 میں رہائش اختیار کی۔ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب کا سلسلہ علیمی رشیدیہ، صدر الشریعہ کے روحانی سلسلے سے بھی ملتا تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ کے گھرانے کا تعلق صدر الشریعہ کی ننھیال سے پہلے سے تھا۔ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب، مصنف زلزلہ علامہ ارشد القادری (صدر الشریعہ کے سالے)، علامہ غلامِ عاصی اور مفتی صاحب کے والد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب اور میرے نانا حضرت مولانا شاہ عبداللطیف (والد علامہ ارشد القادری) یہ سب آپس میں قریبی رشتے دار تھے۔ ہمارا ننھیال اور سسرال دونوں مفتی صاحب کے خاندان میں ہے۔ اس کے علاوہ میری ایک بہو، صاحبزادے حافظ محمد سرور مصطفیٰ کی زوجہ راحیلہ عنبریں مفتی ظفر علی نعمانی صاحب کی صاحبزادی ہیں۔

جب مفتی ظفر علی نعمانی نے عالمگیر روڈ پر اپنے پیر و مرشد کے نام پر دار العلوم امجدیہ قائم کیا تو اِس میں شیخ الحدیث کیلئے علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صاحب سے درخواست کی۔ لہٰذا ازہری صاحب 1958 میں مفتی صاحب کی درخواست پر ہارون آباد سے کراچی تشریف لے آئے اور دارالعلوم امجدیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ازہری صاحب تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے ساری زندگی درویشی میں بسر کی۔ کراچی میں ابتداء میں جٹ لائن میں رہے بعد ازاں پوری زندگی ملیر سعود آباد میں 80 گز کے ایک کوارٹر میں گزار دی۔ قومی اسمبلی کے ممبر ہوتے ہوئے بھی، ٹرین میں، بسوں میں اور ویگنوں میں سفر کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کیا۔ ایسے سفر کے دوران بڑی تفریح بھی رہتی کہ ایک طرف یہ سادہ سا رکن قومی اسمبلی تو دوسری طرف آپ کی پُر مزاح گفتگو۔ یہ تھا ازہری صاحب کا اخلاص، سادگی، ایمانداری اور اندازِ سیاست۔

خدا کے فضل سے ہے موسمِ بہار درود
نبی ﷺ سے نسبتِ کامل کا افتخار درود

جو آنجناب کے نقشِ قدم پہ چلتا ہے
اُسی کے چہرے پہ لاتا ہے پھر نکھار درود

یہی عقیدہ ہے اپنا یہ اصلِ ایماں ہے
کہ بھیجیں ذاتِ محمد ﷺ پہ بار بار درود

اندھیرے جہل کے اب میرا کیا بگاڑیں گے
ہے تیرگی میں اُجالوں کا شاہکار درود

درودِ پاک تری عظمتوں کے کیا کہنے
ہر ایک لمحہ کروں تجھ پہ میں نثار درود

کروروں بار کرو شکرِ رب ادا لوگو
نبی پاک ﷺ پہ بھیجو کروروں بار درود

رضائے رب جسے طاہرؔ نصیب ہوجائے
رسول پاک ﷺ پہ بھیجے وہ بے شمار درود

طاہرؔ سلطانی

میرے استاد محترم

عبدالمصطفیٰ الازہری علیہ الرحمتہ والرضوان

شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد اسماعیل قادری رضوی

(شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء دارالعلوم امجدیہ)

آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ صرف چند جملے لکھ کر ان سے مستفیض ہونے والوں کی فہرست میں میری شمولیت ہو جائے تو میرے لئے ذریعۂ نجات بن جائے۔ حضرت علامہ کو میں نے تقریباً 47 سال پہلے دارالعلوم امجدیہ گاڑی کھاتہ میں درسِ حدیث دیتے ہوئے دیکھا۔ پھر متعدد بار کئی تقاریب میں دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ 62/60ء میں میں نے دارالعلوم امجدیہ میں پڑھنے کیلئے داخلہ لیا۔ ابتداء میں نے درس نظامی کے دو تین درجے، مخزن عربیہ میں حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ والرضوان سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ بعد میں مدرسۂ امجدیہ جو کہ اس وقت گاڑی کھاتہ آرام باغ میں واقع تھا، وہاں علامہ ازہری صاحب کی شہرت سن کر داخل ہوا- میں چونکہ ابتدائی درجہ کا طالب علم تھا، اس لئے میرے اسباق ان کے پاس نہیں تھے۔ لیکن سال کے بعد چند بڑے طلبا نے علامہ ازہری صاحب سے ترجمۂ قرآن پاک پڑھنا شروع کیا تو میں بھی ان طلباء کے ساتھ پڑھنے لگا۔ یہ ترجمہ قرآن حکیم علامہ صاحب سے میرا پہلا سبق تھا۔ علامہ صاحب نہایت مشفق استاد تھے اور خاص کر جو اِن کے پاس پڑھ لے، پھر اسے اور کہیں وہ لطف نہیں آتا تھا جو اِن کے پاس آتا تھا۔ آپ کے پڑھانے کا انداز بہت آسان اور طلباء کے دماغوں میں سما

جانے والا ہوتا۔ پڑھنے والے طلباء کبھی اُکتاتے نہیں تھے۔ آپ سے جس قسم کے سوالات کئے جاتے نہایت آسان انداز میں سمجھا دیتے۔ چونکہ آپ ظریف الطبع تھے اس لئے بعض مزاح کے انداز میں بھی جواب دیتے۔ چونکہ میں سب سے چھوٹا تھا اور نہ ہی پڑھنے والے طلباء کا ہم درجہ تھا، اس لئے مجھے ان سے سوال کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک طالبعلم نے پوچھا غسل واجب میں کپڑا خراب ہو جائے تو صرف خراب جگہ کو دھونا ہے یا پوری شلوار کو؟ آپ نے فرمایا پوری شلوار نہیں بلکہ بستر کو، کمرے کو، سب کو دھوئے۔ یہ آپ نے ازروئے مذاق فرمایا۔ پھر بعد میں فرمایا، نامعقول جتنی جگہ خراب ہوتی ہے اسی کو دھونا ہے۔ پوری شلوار دھونے کی ضرورت نہیں۔ الغرض جو بھی سوال آپ سے کیا جاتا آپ اس طالبعلم کے مزاج کے مطابق جواب دیتے اور کبھی ناراض نہ ہوتے۔

جب سے میں نے مدرسہ امجدیہ میں داخلہ لیا۔ اس وقت سے میں علامہ صاحب سے مستفیض ہوتا رہا اور آخر میں دورۂ حدیث پڑھنے کی مجھے آپ سے سعادت حاصل ہوئی۔ متعدد جلسوں میں آپ کے ہمراہ جانا نصیب ہوا آپ رات کو جلسوں میں دیر تک شرکت فرماتے۔ لیکن علی الصبح پڑھانے کے لئے حسب معمول مدرسے پہنچ جاتے۔ کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ آپ نے تاخیر کی ہو اور طلباء کے اسباق کا ناغہ ہوا ہو۔ تقریباً 28 سال علامہ صاحب کے ساتھ مجھے وقت گزارنے کا موقع نصیب ہوا۔ لیکن آج میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ میں نے کماحقہٗ آپ سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہ میری ناسمجھی، کوتاہی اور کاہلی ہے کہ اتنا طویل عرصہ اس بحرالعلوم کے ساتھ گزارا اور کچھ حاصل نہ کرسکا۔ یہ سب سے بڑا المیہ ہے، میری زندگی کا، جو کبھی پورا نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ ایک عالم ذی وقار، ہرفن مولانا اور اس سے صرف چند کتابیں پڑھیں۔ جبکہ آپ ہرفن میں کامل، ماہر استاد تھے آپ کتنے علوم کے ماہر تھے؟ میں تو ان علوم کے نام وتعریف تک نہیں جانتا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا میں پچاس علوم پر مہارت رکھتا ہوں اور کسی سے کہا کہ اگر کوئی اِن کی صرف تعریف ہی کردے تو میں اسے پڑھا لکھا کہوں گا۔ واقعی آپ کئی علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ عربی ادب کے لئے آپ فرمایا کرتے تھے، میں نے اردو سے زیادہ عربی ادب کی کتابیں پڑھی ہیں اور اس میں مجھے مہارت ہے۔ مقاماتِ حریری، سبع معلقات، متنبی، حماسہ

یہ عربی ادب کی مشکل ترین کتابیں ہیں۔ کبھی کوئی مشکل آتی تو ٹہلتے ٹہلتے حل کرتے۔ بارہا میں نے کچھ پوچھا۔ آدھا شعر پڑھا یا غلط پڑھا تو آپ فوراً تصحیح کرتے اور پورا شعر پڑھ دیتے۔ بہت سی عربی ادب کی کتب آپ کو از بر تھیں۔ طالب علم ایک مصرع پڑھتا، آپ کئی مصرعے پڑھ دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا یہ کتاب میں نے چالیس سال پہلے پڑھائی تھی۔ لیکن اس دن وہ اس کی عبارت سنا رہے تھے۔ علم حدیث اور اسماء الرّجال میں وہ کمال مہارت تھی کہ کسی راوی کے متعلق پوچھا جاتا تو اس کی سوانح کے ساتھ ہم عصر کی سوانح اور کوئی واقعہ تک سنا دیتے۔ طالبعلم کتنا ہی تیز عبارت پڑھ رہا ہو۔ لیکن آپ کتاب دیکھے بغیر اس کی اصلاح فرماتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ حافظ الحدیث ہیں۔ دیگر مثلاً نحو، صرف، منطق، فلسفہ، تاریخ، غرض کہ ہر مضمون میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ تدریس کے علاوہ تقریر و تحریر میں آپ کا جواب نہ تھا۔ آپ کی تحریر میں اس قدر تیزی تھی کہ انسان اتنی تیزی سے پڑھ بھی نہیں سکتا۔ قران و حدیث و عربی عبارت و مضمون انتہائی تیزی اور روانی سے پڑھ لیتے۔ حافظ قرآن سے پہلے قرآن کا پارہ پڑھ لیا کرتے۔ بارہا گیارھویں شریف کے موقع پر دیکھا گیا۔ تقریر کا یہ عالم تھا کہ جس موضوع پر کہا جائے فی البدیہہ بولتے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر تقریباً ڈھائی گھنٹے صحابہ کے موضوع پر، کھڑے ہو کر تقریر کی۔ آپ کے ہمراہ مجھے ایک پہلو پر بیٹھنا مشکل تھا لیکن آپ کھڑے ہو کر تقریر کرتے رہے۔ چونکہ آپ کی طبیعت میں ظرافت تھی، کسی موقع پر ایک تقریر میں کسی نے نعرہ لگایا آپ نے فوراً فرمایا۔ زوال علم کا یہ حال ہے کہ میں اتنی دیر سے صحیح احادیث سنا رہا ہوں کسی نے نعرہ نہیں لگایا۔ لیکن اب ایک ضعیف حدیث سنائی ہے، تو نعرے لگ رہے ہیں۔ ایک موقع پر کسی مقرر نے اولیاء کے فضائل میں حدیث بیان کی کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، میں اس کے کان بن جاتا ہوں، میں اس کی ناک بن جاتا ہوں۔ آپ نے مزاحاً فرمایا تم نے حدیث میں ناک لگا دی (یعنی ناک کی گندی جسے ناک سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔ یعنی مقرر نے اضافہ ناک کا کردیا اور یہ حدیث میں آنکھ کان ہاتھ تو ہے لیکن ناک نہیں ہے۔ یہ حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ ہے جو کہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

میں نے آپ کے ہمراہ شہر مکہ میں ایک ماہ کا عرصہ گزارا۔ وہاں بھی آپ نے

فی البدیہہ تقریر فرمائی کہ بڑے بڑے علماء حیرت میں پڑ گئے' آپ نے وہ آیت وہ سورۃ تلاوت فرمائی جس میں شہر مکہ کی قسم کا ذکر ہے۔ اس زمانے میں کچھ دنوں بعد مولانا حبیب الرحمٰن اوڑیسا بھارت والے ایک اور مولانا غالباً نور اللہ بصیر پوری تھے۔ ان کا اور مکے کے عرب علماء کا مناظرہ عقائد اہل سنت کے موضوع پر ہوگیا۔ علامہ ازہری صاحب ان کے درمیان مترجم کے فرائض انجام دیتے رہے۔ عرب عربی میں اپنا مدعا پیش کرتے اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اردو میں اپنے دلائل دیتے۔ علامہ ازہری عربی کا اردو اور اردو کا عربی میں ترجمہ کرتے اور کچھ دلائل کی طرف رہنمائی بھی۔ اس طرح یہ مناظرہ مکمل ہوا۔ میں خود اس موقع پر آپ کے ہمراہ تھا۔ الغرض عربی آپ بولتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی مادری زبان ہے۔ ایک مرتبہ مفتی شجاعت علی قادری صاحب جو کہ میرے استاد ہیں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں تھا کہ علامہ ازہری صاحب اتنی اچھی عربی بولنے کے ساتھ تقریر بھی کر لیتے ہیں۔ آپ نے کل تو تقریر میں سفیر عراق کے ہاں کمال ہی کر دیا اور سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ یہ تقریب 65ء کی لڑائی کے بعد سفیر عراق پیر عبدالقادر صاحب جیلانی (مدفن کراچی المرکز اسلامی حسن اسکوائر) نے اپنی رہائش گاہ پر علماء کے اعزاز میں منعقد کی تھی۔ اس موقع پر یہ تقریر علامہ صاحب نے فرمائی تھی۔

علامہ صاحب کا کسی کو منہ توڑ جواب دینے میں جواب ہی نہ تھا۔ ایک واقعہ علامہ مفتی شجاعت علی قادری صاحب سنا رہے تھے کہ ہم لوگ کار میں سفیر عراق کے گھر جا رہے تھے۔ علامہ ازہری صاحب ساتھ تھے۔ ہماری کار سے کچھ آگے مفتی شفیع دیوبندی مع اپنے رفقا کے آگے آگے جا رہے تھے اور کسی غلط گلی میں چلے گئے اور دیر سے پہنچے۔ علامہ ازہری صاحب پہلے پہنچ گئے۔ دیوبندی علماء نے کہا آپ تو ہماری اقتداء میں تھے، آگے کیسے آگئے۔ علامہ ازہری صاحب نے ظرافتہً فوراً جواب دیا۔ جب تک آپ لوگ سیدھی راہ چلتے رہے تو ہم لوگ آپ کے پیچھے چلتے رہے اور جب آپ بھٹک گئے تو ہم نے سیدھی راہ پکڑی اور آپ کو چھوڑ دیا۔ مفتی شفیع بالکل خاموش ہوگئے۔

علامہ ازہری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ طبیعت میں بغض و کینہ نہیں رکھتے تھے۔ جس کو کچھ کہنا ہوتا یا ناراضگی' غصہ ہوتا تو اسی وقت صاف و کلیئر

بات سنا دیتے چاہے کوئی راضی ہو یا نہ ہو۔ آپ کا غصہ کچھ دیر کیلئے ہوتا' پھر سب کچھ بھلا دیتے ۔آپ ہمیشہ سچ بولتے ۔کبھی جھوٹ نہیں سنا گیا ۔ہمیشہ نمازِ باجماعت مسجد میں ادا کرتے۔ کبھی اذان بھی دیتے۔ جیسا موقع ہوتا ویسا کرتے۔ چھوٹے بچوں اور طالبعلموں پر نہایت شفقت کرتے ۔انہیں اپنی جیب خاص سے خرچی دیتے ۔خود اعلیٰ ذہانت رکھتے اور ذہین ومحنتی طلباء کی قدر کرتے ۔

آپ نے تقریباً پچاس بار دورۂ حدیث کی جماعت کو درسِ حدیث دیا۔ آپ کی پوری عمر درس وتدریس میں گذری۔ بہت کم عمر میں آپ شیخ الحدیث بن گئے ۔آپ نے جامعہ از ہر مصر سے تخصص کیا ہے اس لئے آپ کو ازہری کہتے ہیں۔ آپ متوضع مزاج تھے۔ فرماتے مجھے کچھ آتا جاتا نہیں اور نہ میں نے کچھ محنت کی ۔صرف بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔ آپ فرماتے تھے، جب ہم تقریر کرتے تو لوگ کہتے ازہری صاحب کو تقریر نہیں آتی۔ اب ہم یونہی ہانکتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں ازہری صاحب کو تقریر آ گئی۔ یہ آپ کی یادگار باتیں ہیں۔ آپ بارعب شخصیت تھے ۔کبھی کسی سے دبتے نہیں تھے بلکہ مجلس پر آپ حاوی ہوتے تھے۔ علامہ مفتی شجاعت علی صاحب فرمایا کرتے، علامہ ازہری ہماری ٹیم کے کپتان تھے۔ آپ نہایت عمدہ اور صاف لباس پہنتے ۔اپنا کام زیادہ تر اپنے ہاتھ سے کیا کرتے۔ اپنے کپڑے خود دھوتے ۔کھانا بہترین بنانا جانتے تھے۔ علامہ حقانی صاحب اور آپ نے ایک ساتھ حج کیا۔ کھانے پکانے کی ذمّہ داری آپ نے لی۔ ایک روٹی سے کبھی زیادہ نہیں کھاتے۔ آپ اپنی روٹی علیحدٰہ کر لیتے اور کھاتے۔ ایک بار علامہ غلام دستگیر افغانی صاحب آپ کے ساتھ مدعو تھے اور آپ کی روٹی سے ایک لقمہ توڑ لیا۔ علامہ ازہری صاحب نے ہاتھ پکڑ لیا۔ افغانی صاحب نے پوچھا یہ کیونکر؟ جواب دیا آدمی کے اپنے پیٹ کا ایک حساب ہوتا ہے ۔اب حساب میں گڑ بڑ ہو جائے گی۔ افغانی صاحب چونکہ علامہ صاحب کے شاگرد تھے، اِسے بھی ایک لطیفہ شمار کیا۔

علامہ صاحب دیگر خوبیوں کے ساتھ ایک بہترین شاعر تھے ماؔجد آپ کا تخلص تھا۔ امجدیہ کے مشاعرے میں آپ نے ہمیشہ حصہ لیا۔ آپ کے کلام کی بہت داد دی جاتی۔ نہایت شیریں آواز میں نعت پڑھتے اور سامعین محظوظ ہوتے ۔آپ کی تعریف میں کوثر

نیازی سابق وزیر اطلاعات نے بھی رباعی کہی ہے۔

آپ نے بے شمار شاگرد چھوڑے۔کسی بھی مدرسہ کا جائزہ لیں۔ وہاں کے شیوخ درشیوخ آپ کے تلامذہ ملیں گے۔ میں نے آپ کو ایامِ علالت میں لیاقت اسپتال، یا جہاں کہیں ہوں، آپ کی زبان پر یہ حدیث جاری سنی **"کما فی البخاری عنہ عائشۃ رضی اللہ عنہا اللھم الحقنی بالرفیق الاعلی"** اور یہی دعا آخری لمحات میں ادا کرتے تھے۔ اور علامہ مفتی وقار الدین صاحب کو دیکھا آپ سورۂ اخلاص کی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ الغرض علامہ ازہری صاحب نے ایک بھرپور اور کامیاب زندگی گزاری اور لاکھوں انسانوں کو سوگوار چھوڑ کر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

آمین۔

رحمۃ اللہ علیہ
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

درویش صفت سیاستدان

رضوان صدیقی

دارالعلوم امجدیہ، کراچی کی معتبر اور ممتاز ترین علمی درس گاہ ہے ۔اس معروف دارالعلوم میں مسجد کے بائیں طرف ایک حجرہ نما بڑے کمرے میں تین اہم ہستیاں محو آرام ہیں۔ ان میں عالم بے بدل، ممتاز محدّث، شفیق معلّم، خوش گفتار مقرّر، فقیر منش مدبّر اور درویش صفت سیاستدان، حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ، ملک کے ممتاز عالم دین مولانا مفتی محمد وقار الدین قادری رحمتہ اللہ علیہ اور سابق سینیٹر بانی دارالعلوم قبلہ مفتی ظفر علی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ گذشتہ کئی برسوں کے دوران مجھے جب کبھی بھی کسی دینی اجتماع میں شرکت کرنے کے لئے یا کسی کام کے سلسلے میں دارالعلوم امجدیہ جانے کا اتفاق ہوتا ہے، تو میرے قدم کسی انجانی قوت کے زیر اثر ان بزرگوں کے مزاراتِ مبارک کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ میں مزار کے صدر دروازے سے باہر نگاہیں جھکائے، ہاتھ اٹھائے فاتحہ خوانی کرتا ہوں، مذکورہ بزرگوں کیلئے دعا کرتا ہوں اور ان کے توسل سے اپنے لئے خیر کا طالب ہوتا ہوں۔ ان ہی بزرگوں میں ایک بزرگ قبلہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ چند منٹ کی اس مختصر سی مدت میں علامہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ گزارے ہوئے سینکڑوں مناظر میری آنکھوں میں تازہ ہوجاتے ہیں۔

مجھے یاد نہیں کہ میری علامہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے کب اور کہاں پہلی ملاقات ہوئی لیکن اتنا یاد ہے کہ کم وبیش بیس پچیس سال تک علامہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے میری نیاز مندی رہی ہے۔ آپ کی شفقت اور حسن سلوک کی وجہ سے ہماری عمروں کا فرق بہت کم

ہوگیا۔ میری نیاز مندی میں عفید تمندانہ بے تکلفی اور ان کے حسن سلوک اور نظر عنایت میں حد درجہ شفقت سمٹ آئی تھی۔

برسوں پہلے میں جب کبھی انجمن شیدائیان رسول ﷺ کے کسی جلسہ کے انتظامات کے سلسلے میں حیدر آباد سے کراچی آتا تھا تو کوشش ہوتی تھی کہ جمعہ کی نماز ''مدنی مسجد،، گلشن اقبال میں ادا کی جائے تاکہ حضرت علامہ کا خطاب، خطبہ سننے اور ان کی امامت میں نماز ادا کرنے کا موقع میسر آئے۔ میرے معاملات میں وہ شروع ہی سے مہربان تھے۔ کئی بار ان کے ساتھ سفر کے دوران ان کی علمی گفتگو سے مستفیض ہونے اور ان کی خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جشن عید میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں منعقد ہونے والے جلسوں میں ان کی تقریر سماعت کرنے کی بار بار سعادت نصیب ہوئی۔ ''سیرت طیبہ،، کے موضوع پر حضرت علامہ رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ شگفتہ تقریر کرتے ہوئے میں نے کسی اور عالم دین کو نہیں دیکھا۔ حیات طیبہ پر گفتگو کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ مگر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کو اس نازک اور مقدس موضوع پر خوشگوار انداز اور بے تکلفانہ لہجہ میں گفتگو کرنے کا ملکہ حاصل تھا۔ وہ کمال کے مقرر تھے مذہبی امور کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست کے موضوع پر ان کی گہری نظر تھی اور لاکھوں کے اجتماع میں کمال مہارت سے عوامی مسائل پر تقریر کرتے تھے۔

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے جماعت اہلسنت کے قیام اور اس کی ترقی میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ آپ کی مدبّرانہ قیادت نے مختصر مدّت میں عوام میں اسے بے حد مقبول بنایا۔ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری نے 1970ء کے انتخابات میں پاک فوج کے سابق سربراہ جنرل محمد اکبر خاں کے مقابلہ میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی اور قومی اسمبلی میں عوامی مسائل کو بڑی متانت اور مدبرانہ انداز سے پیش کیا۔ بعد ازاں وہ مجلس شوریٰ کے رکن نامزد ہوئے۔ 1985ء میں ایک بار پھر علامہ ازہری رحمتہ اللہ علیہ نے قومی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔ قومی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے قومی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی میں بھرپور حصہ لیا اور آپ نے کبھی پارلیمنٹ کے اجلاس میں غیر حاضری نہیں کی۔ حاجی محمد حنیف طیب

نے جب وفاقی حکومت میں وفاقی وزیر کا عہدہ سنبھالا تو اپنے اسٹاف کو ہدایت کی کہ وہ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کا خاص خیال رکھیں اور انہیں آنے جانے کے لئے سواری کی سہولت بھی مہیا کریں ۔ میں ان دنوں حاجی حنیف طیب کے پرسنل اسٹاف میں شامل تھا۔لیکن اکثر علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ، حاجی محمد حنیف طیب کی جانب سے مہیا کردہ سہولت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے اور راولپنڈی پہنچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے کوئی بھی عوامی سواری استعمال کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے والد محترم کے نام پر کراچی میں قائم دارالعلوم امجدیہ کی بڑی خدمت کی۔ان کے ہزاروں شاگرد ملک کے کونے کونے میں دینی تعلیم کے فروغ کے لئے خدمات انجام دے رہے ہیں۔راولپنڈی اور اسکے قرب وجوار میں ان کے سینکڑوں شاگرد ان کی دعوت کرنا چاہتے تھے۔علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر تمام محبت کرنے والوں کی دعوت قبول کرنے سے قاصر تھے۔لیکن ان کا دل رکھنے کے لئے انہوں نے یہ طریقہ وضع کیا کہ دعوت قبول کر لیتے اور فرماتے کہ دعوت کا کھانا ایم این اے ہاسٹل اسلام آباد میں (جہاں ان کا قیام تھا)

لے آئیں۔اس موقع پر اکثر مجھے اور عطاء المصطفیٰ نوری کو بھی مدعو کرتے، فرمایا کرتے تھے کہ ''دال زون'' میں رہنے والو ! رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھالیا کرو ۔خیال رہے کہ حاجی محمد حنیف طیب کی رہائش گاہ پر اکثر دال پکتی تھی اور ان سے ملنے کے لئے آنے والے تمام خواہش مند ''فقیرانہ دستر خوان'' پر شریک ہوتے تھے۔آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو شخص کونسلر منتخب ہوجائے اسکے کپڑوں پر ہی نہیں، گردن میں بھی کلف لگ جاتا ہے۔مگر علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے (جن کے ہاتھوں کو سینکڑوں لوگ روزانہ چومنے میں اپنی عزت محسوس کرتے تھے) کبھی انکساری اور وضعداری کو ترک نہیں کیا۔وزراُ کرام اور سربراہِ مملکت ان کا احترام کرتے تھے۔لیکن انہوں نے اپنے لئے یا اپنے بچوں کے لئے کبھی ناجائز مراعات حاصل نہیں کیں۔

1985ء کے الیکشن میں کامیابی کے بعد انہوں نے ایک اجتماع میں تقریر کرتے

ہوئے کہا، کہ الیکشن کے دوران بعض محبت کرنے والے مجھے الیکشن فنڈ میں کچھ رقم بطور عطیہ دیتے تھے۔ لیکن میں نے اپنی انتخابی سرگرمیوں کے دوران بہت کم رقم خرچ کی ہے۔ تاہم میری اہلیہ نے بتایا کہ الیکشن کے دوران کم وبیش چھ ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں۔ میں نے وہ رقم منہا کرلی اور باقی بچ رہنے والی رقم میں حاجی محمد حنیف طیب صاحب کو لوٹا رہا ہوں۔ تا کہ وہ انہیں پارٹی کے اخراجات میں استعمال کرسکیں۔ عہد حاضر میں بھلا کون ہے جو اس طرح کی امانتداری اور دیانتداری کی مثال قائم کرسکے۔

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمتہ اللہ علیہ آج ہم میں نہیں لیکن ان کے شخصی اوصاف اور زندگی گزارنے کی ابھی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ جن کو ہم اپنی زندگی میں اختیار کرلیں تو ہم بھی دین ودنیا میں سرخرو ہوسکتے ہیں۔

آسماں لحد پہ تیری شبنم افشانی کرے۔

ایسی پاک صاف اور منزہ زندگی گزارنے والے مرد درویش پر الزام تراشی کرنے والے لوگوں کیلئے میں صرف ہدایت کی دعا کرسکتا ہوں۔

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری بقلم خود

اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل علامہ ازہری صاحب کا اپنے آبائی گھر قادری منزل قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ انڈیا جانا ہوا۔ وہاں انھوں نے ایک مضمون قلمبند فرمایا۔ بعد ازاں اس مضمون کو قادری منزل کے ریکارڈ سے نقل کیا گیا اور محدثِ کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی کے فرزند اور صدر الشریعہ کے پوتے مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی صاحب نے اس مضمون کو مجلے کے لئے عنایت فرمایا۔ جس کے لئے ادارہ ان کا شکر گذار ہے۔

ابتدائے محرم 1334ھ کو محلّہ کریم الدین پور گھوسی میں پیدا ہوا۔ بالکل ابتدائی تعلیم ابا کے قاعدہ اسلامی اور قاعدہ بغدادی سے شروع کی۔ اس کے بعد قرآن مجید مولوی احسان الحق جو والد صاحب کے شاگرد تھے، اُن سے پڑھا۔ اس سے قبل حکیم احمد علی صاحب کی بیٹھک کے برآمدے میں پڑھا اور کچھ دنوں تک نوا کے نیم تلے جو مدرسہ تھا جس کو والد صاحب کے بڑے بھائی حکیم احمد علی صاحب نے بنوایا تھا اس میں پڑھا۔ اس کے بعد والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ ہم لوگوں کو اجمیر شریف لے گئے۔ وہاں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں اُردو کی دوسری اور حساب اور آمدنامہ مصدر فیوض، گلزار دبستاں مدرسہ میں پڑھا۔ والد صاحب قبلہ سے اس کے بعد گلستان کا آٹھواں باب پہلے پھر تیسرا باب مدرسہ میں، فارسی کے کچھ اسباق فارسی کے مشہور شاعر عارف بدایونی رحمتہ اللہ علیہ۔ سے حاصل کئے۔ اس کے بعد مدرسہ میں میزان، منشعب، علم الصیغہ، فصول اکبری پڑھی اور اسی دوران میں والد صاحب سے نحومیر شرح مائۃ مع ترکیب اور ھدایۃ النحو۔ جب کافیہ شروع ہوئی تو ہمارے اُستادِ محترم نے بسم اللہ اور الکلمۃ لفظ الخ اخرہ کے بارے میں لمبی تقریریں فرمائیں جو ہمارے پلے بالکل نہیں پڑیں تو میں نے والد محترم رحمتہ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ کافیہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ والد صاحب نے فرمایا اچھا شام کو مجھ سے پڑھ لینا اور میں نے کتاب شروع کی۔ دو یا ایک وجہ الحمد نہ

ہونے کی بیان کی۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے استاد نے تین دن تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا یہ باتیں شرح جامی میں آئینگی ۔بس اتنی کافی ہے۔ اسی طرح سے کافیہ ہمارے لئے سہل ہوگئی۔ منطق میں کبریٰ، ایسا غوجی، مرقات، قطبی پڑھنے کے بعد جب میر قطبی شروع کی تو مشکل پیش آئی تو والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے صرف میر قطبی خارج وقت میں پڑھائی۔ فقہ ،ادب اُصولِ فقہ اور دیگر فنون دارالعلوم کے مدرسین کرام سے ،جس میں اُستاد محترم حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد انصاری ،اُستاد محترم حکیم سید عبدالمجید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اور اُستاد دیوان آل رسول سجادہ نشین دربار معینیہ خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ یہ تمام بزرگ مولانا سردار احمد اور مولانا عبدالعزیز صاحب کے بھی اُستاد تھے۔ منطق کی آخری کتاب میر زاہد، ملا جلال، قاضی مبارک والد صاحب سے اجمیر شریف میں پڑھی۔ اس کے بعد 1932ء میں بریلی شریف چلے آئے اور وہاں میں نے شمس بازغہ اور امور عامہ شروع کیا تھا۔

1933ء میں مصر جانے کا انتظام والد صاحب نے کیا۔ چنانچہ میں اوائل 1934ء میں بریلی شریف سے گھر آیا اور یہاں سب لوگوں سے ملاقات کے بعد بھائی جان مولانا حکیم شمس الہدیٰ مرحوم نے بنارس سے ہوڑہ جانے والی ایکسپریس میں بٹھا دیا اور یہ سفر میں نے اوائل عمر میں کیا۔ ہوڑہ پہنچنے کے بعد والد صاحب کے پیر بھائی حضرت مولانا عبدالعزیز خان صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضری دی اور ان ہی کا میں مہمان ٹھہرا اور انہوں نے پاسپورٹ کی مشکل ترین کارروائی اپنے اثر و رسوخ سے ایک ہفتہ کے اندر اندر پوری کردی اور بحری جہاز میں اس زمانہ میں محمدی اسٹیم شپ کمپنی کا تھا اور مجھے اسمیں بٹھا دیا اور چند تعارفی خط مجھے دے دیئے۔ سمندر میں جب جہاز پہنچا سخت ترین طوفان آیا جس نے مجھے سخت مضطرب اور پریشان کیا اور مولانا عبدالعزیز ایک میمن حاجی سے ملنے آئے تھے میرا تعارف کرادیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ یہ بچہ پریشانی ومشکل میں مبتلا ہے اور اس کی اعانت کریں۔ چنانچہ جب مجھے چکر سے آنے لگے اور اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا فلاں جگہ میرا سامان ہے اُٹھا لایا جائے اور وہاں جانے سے پہلے پہلے اسقدر متلی والی کیفیت طاری ہوئی پھر چڑھ نہ سکا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ تم وہیں رہو، میں سامان لیتا آؤں گا۔اُنہوں نے میرا سامان لاکر اپنی جگہ رکھ کر مجھے پکڑ کر سلا دیا اور دو دن تک سر

اُٹھانے کی ہمت نہ رہی ۔اُنہوں نے کہا تم سفر اس طرح کرو گے کچھ کھاؤ ۔میں نے کہا کچھ
نہ کھا سکوں گا۔ اُنہوں نے کہا کھاؤ گے تو قے ہوگی۔ پھر کھاؤ پھر قے ہوگی پھر طبیعت ٹھیک
ہوجائے گی۔ اُن کے پاس خشک میوے بادام، پستہ، کاجو وغیرہ تھے ۔اُنہوں نے میرے
پاس لیٹے ہوئے ایک مٹھی بھر کر سامنے رکھ دیا۔ میں نے کچھ دانے کھائے تو قے ہوئی ۔میں
نے اسی طرح چند مرتبہ کھائے تو قے ہوگئی اور طبیعت ٹھیک ہوگئی۔ اس کے بعد جب ہم
روانہ ہوئے تو پھر اس طرح کی کیفیت ہوئی جو تقریباً جدہ تک ایسی ہی طبیعت رہی میں نے
بغیر غسل کیے صرف وضو کر کے بمشکل احرام باندھا۔ میرے پاس کچھ روپے تھے جو تہبند میں
اُڑس لئے۔ اتفاق سے شوقِ دید میں جب اوپر چڑھا تو پتہ ہی نہیں کس وقت وہ روپیہ کا
لفافہ گر گیا۔ چھت پر پہنچ کر جب میں نے تہبند پر ہاتھ مارا تو میرے پیر کے نیچے سے جہاز
غائب اور ایسا معلوم ہوا میں سمندر میں غوطہ لگا رہا ہوں۔ ''بہار شریعت'' والد صاحب سے
حسب حکم بہت سی دعائیں میں نے یاد کر لی تھیں اور میں نے **ان الذی فرض علیک
القرآن لرادک الیٰ معاد** وغیرہ دعائیں پڑھیں اور تلاش کیلئے نکلا تو سیڑھی کے پاس
لفافہ مل گیا۔ اس زمانہ میں جدہ میں بندرگاہ نہیں بنی تھی۔ جہاز ساحل سے کئی میل کے فاصلے پر
ٹھہرتے تھے۔ اس لئے کہ ساحل میں جگہ جگہ خطرناک چٹانیں تھیں لوگ عموماً بادبانی کشتیوں
میں بیٹھ کر ساحل پر پہنچتے تھے۔ عبدالعزیز خان صاحب کی کمپنی کا آدمی، جب وہاں میں پہنچا تو
تعارفی خط دیئے تو اُنہوں نے کہا کہاں ٹھہرے ہو میں کپتان سے مل کر ضروری معاملات طے
کر کے آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ آئے تو مجھ سے کہا چلو میں نے کہا حضرت میرا
سامان۔ اُنہوں نے کہا وہ خود ساحل پر پہنچ جائیگا۔ اُنہوں نے اپنی کشتی میں بٹھا کر ساحل پر
پہنچا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سامان بھی مل گیا۔ جدّہ میں معلم عبدالرحمٰن مظہر کا نام لکھوایا تھا اس
لئے کہ وہ تمام معلموں کا رئیس تھا۔ اس کا آدمی مجھے ملا۔ اس نے میرے لئے مشغدف کے
اونٹ پر انتظام کیا۔ مشغدف چارپائی سے ملتا جلتا ایک ایسا سامان ہوتا ہے جو اونٹ کے
دونوں طرف برابر برابر لٹکایا جاتا ہے۔ اس پر بیٹھ کر یا لیٹ کر سفر کر سکتے ہیں ۔اس زمانے
میں بس خال خال چلتی تھیں۔ اس وقت باقاعدہ سڑک بنی نہیں تھیں ۔اونٹ پر انسان دو دن
میں مکہ مکرمہ پہنچتا تھا۔ ایک دن راستہ میں پورا دن آرام کرنا ہوتا تھا اور قافلے رات ہی میں

خراب نہیں ہوتا۔ انگریزی تہذیب کا غلبہ سارے ماحول پر قائم ہو چکا تھا۔ پھر بھی اخوان المسلمین وغیرہ چھوٹی بڑی متحرک تنظیمیں لوگوں کو جہاد اور اسلام پر مائل کرتے رہتے تھے۔ زمین بڑی زرخیز ہے۔ پودوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ لوگ بڑے خوشحال ہیں۔ لباس شہروں میں زیادہ تر کوٹ پتلون اور ترکی ٹوپی تھا۔ ترکی ٹوپی اس کے بعد تقریباً ختم ہوگئی۔ لیکن دیہاتوں میں لمبا کرتا اور ٹوپی و رومال وصافہ وغیرہ کا رواج تھا۔ زبان بگڑی ہوئی عربی تھی جس کو عامی زبان کہتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی اور فرانسیسی دونوں نصاب میں داخل تھیں۔ انگریزوں نے ہمیشہ مصر میں اپنے ریشہ دوانیاں جاری رکھی ہوئی تھیں اور اکثر وزارتوں کے بدلنے، بننے اور ٹوٹنے میں برطانیہ کا خفیہ ہاتھ برابر ریشہ دوانیاں کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ ہماری موجودگی میں مصر کے بادشاہ فواد الاوّل کا انتقال ہوا اور اُن کے بیٹے فاروق الاوّل کو مسند نشین حکومت اور بادشاہ مقرر کیا گیا۔

مصر کا شہر اپنی مساجد و معابد کے لحاظ سے بڑا منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس کی مشہور مساجد میں جامعہ ازہر کی جامع حسینی، جامع قاعد بائی، جامع ابن طولون، جامع مسجد حضرت عمرو بن عاص، جامع مسجد محمد علی پاشا، جامع مسجد فشاہ حسن اور اس کے علاوہ بے شمار خوبصورت ،قدیم اور بڑی اور وسیع مسجدوں پر مشتمل ہیں۔ قاہرہ میں دو میوزیم ہیں۔ ایک میں اسلامی تہذیب وتمدن کے آثار و کتب رکھی ہیں۔ دوسرے میں عہدِ فراعنہ سے لیکر عہد ما قبل اسلام کے نوادر اور آثار قدیمہ۔ اسمیں فرعون کی ممّی اور اُن کی قبروں سے برآمد شدہ بے شمار اشیاء ،زیورات، صندوق، کھانے پینے کی چیزیں، چار پائیاں، کرسیاں، تیر کمان، گھوڑے گاڑیاں ،زرہ بکتر۔ غرض یہ کہ زندگی کے ہر قسم کے سامان رکھے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ سامان توت خنح آموت کے مقبرے سے نکلا۔ یہ مقبرہ 1919ء میں دریافت کیا گیا تھا اور اس زمانے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون بھی یہی ہے۔ بعد میں لوگوں اس کے بارے میں یہ کہا کہ یہ ہی فرعونِ موسیٰ ہے۔ ان قوموں کیلئے لاشیں ایسے مسالحوں سے پوتی جاتی تھیں جس کی وجہ سے وہ ہزاروں سال سے اب تک رکھی ہیں۔ مصر کے عجائبات میں سے اہرام مصر بھی ہے اور ان کے قریب ابوالہول کا مجسمہ۔ اہرام ایک تکونی عمارت ہے جو اصل میں فراعنہ کے مقبرے تھے۔ اور ابوالہول شیر کا مجسمہ ہے جس کے آگے

سفر کرتے تھے۔ دوسرے دن صبح سویرے مکہ مکرمہ میں عبدالرحمٰن مظہر کے گھر پر پہنچ گئے ۔وہاں لوگوں نے فوراً کھانا کھلایا۔ وضو وغسل کیا کرایا اور اپنے آدمی کے ذریعے طواف عمرہ کیلئے بیت اللہ شریف میں بھیج دیا۔ بیت اللہ شریف کی وہی اصل عمارت تھی جو سلاطین نے بنوائی تھی ۔میں طواف کے بعد ایک دن گھوم رہا تھا تو وہاں سوتیلی نانی سے جو اس سال حج کیلئے گئی تھیں ملاقات ہوئی۔ اُن کو بہت تعجب ہوا میں نے اُن کو بتایا کہ میں تعلیم کیلئے مصر جارہا ہوں۔ حج کا موسم ہے اور طواف وعمرہ کی سعادت حاصل کرلی اور اسی سال والد کے شاگرد عبدالکریم چھیپاں مرحوم بھی حج کیلئے گئے تھے اُن سے بھی ملاقات ہوئی۔حضرت والد ماجد قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ مکہ آنے جانے کیلئے سواری نہ کرنا، پیدل ہی یہ سفر اختیار کرنا۔ چنانچہ آٹھ ذوالحجہ کو ہم لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے ۔جب جمرۃ الوسط پر گذر رہے تھے تو ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ یہ درمیانی شیطان ہے اور بڑا شیطان پہلے گزر چکا ہے۔اس نے کہا اچھا یہ درمیانی شیطان ہے،ایک بڑا سا پتھر لیکر دونوں ہاتھوں کی طاقت سے مارا اور کہا مردود تو عمر بھر ہمیں بہکاتا ہے۔آج ہمارے ہتھے چڑھا۔ خیر اس کے بعد جا کر ہم معلم کے مقرر کردہ خیمہ میں گئے اور ظہر وعصر، مغرب وعشاء اور فجر کی نمازیں وہیں ادا کیں۔ نماز فجر کے بعد پھر پیدل ہی عرفات کو روانہ ہوئے اور ظہر سے پہلے پہلے عرفات پہنچ گئے۔ عرفات میں ظہر وعصر کی نمازیں پڑھیں اور مغرب تک دعاؤں وغیرہ میں مشغول رہے یہاں عرفات میں غروبِ آفتاب تک ٹھہرا جاتا ہے۔لیکن نمازِ مغرب یہاں نہیں پڑھی جاتی ہے۔ مغرب کے بعد عرفات سے پیدل ہی مزدلفہ پہنچ گئے اور مغرب وعشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھیں۔ پھر کچھ دیر لیٹے اور صبح کی نماز ابتدائی وقت میں پڑھنے کے بعد دعاؤں میں مشغول ہوگئے اور سورج نکلنے سے پہلے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے ۔منیٰ کے قریب وادی محسر دوڑ کر طے کی اور منیٰ میں رمی جمرات کے بعد قربانی اور حلق سے فارغ ہوئے اور چونکہ کافی تھکان ہوچکی تھی اس لئے دوسرے دن طواف زیارت کیا۔

حج کے چند دنوں کے بعد جدہ آگئے لیکن وہاں ایک مہینے تک مصر جانے والا کوئی جہاز سواری کیلئے نہیں مل سکا۔ آخر مال بردار جہاز پر سوئز شہر کا ٹکٹ ملا اور سوئز چار پانچ دن میں پہنچا۔سوئز میں تین دن کیلئے قرنطینہ میں داخل کردیا۔ تین دن کے بعد ٹیسٹ سے فارغ کے بعد

ہمیں قاہرہ جانے کی اجازت ملی۔ اتفاقاً راستہ میں انڈونیشی مل گئے کہ ان کو بھی جامعہ ازہر جانا تھا۔ ہم سب لوگوں نے ایک ٹیکسی طے کرلی اور اس ٹیکسی پر بیٹھ کر مغرب وعشاء کے درمیان ان انڈونیشی بھائیوں کے گھر پہنچ گئے۔ اُنہوں نے اپنے وطنی عمدہ قسم کے کھانے کھلائے اور رات کے سونے کا عمدہ انتظام کردیا۔ صبح سویرے ہندوستانی ہوسٹل رواق الھنود میں اُس کے نگراں عبدالمنان بنگالی کو میرے آنے کی اطلاع دی۔ وہاں پہنچنے کے بعد محمد حسین نوائتی اور دوسرے لوگوں سے تعارف ہوا۔ محمد حسین نوائتی مفتی سعد اللہ مکی کے بھیجے ہوئے تھے جو بمبئی میں قیام پذیر تھے اور اکابر علمائے اہل سنت سے تھے۔ان کا بہت بعد میں بمبئی میں انتقال ہوا۔ وہاں جانے کے بعد مولانا محراب خان صاحب آفریدی سے ملاقات ہوئی جو والد ماجد مرحوم ومغفور کے شاگرد تھے۔ ان حضرات سے مل کر مختلف مراحل میں اور داخلہ وغیرہ میں بڑی سہولتیں حاصل ہوئیں۔ جامعہ ازہر شریف میں داخلہ کے بعد ایک مختصر سا وظیفہ ملا کرتا تھا جو بالکل ناکافی ہوتا تھا۔ میں کافی دنوں تک رواق الھنود میں رہا۔اس کے بعد مولانا محراب الدین صاحب مجھے اپنے فلیٹ میں لے گئے پھر وہاں سے میں منتقل ہوکر جامعہ ازہر کے دفاتر کے قریب ایک بڑے کمرے میں آگیا۔ جامعہ ازہر میں مختلف اساتذہ کے پاس درس کا سماع اور امتحان کی تیاری کی۔ اولاً شہادۃ اہلیہ اور پھر شہادۃ عالمیہ حاصل کی۔ اس کے بعد اسی دوران میں بیشتر علماء وادباء سے تعلقات پیدا ہوئے جن میں طنطاوی جوہری اور احمد المراغی اور حضرت الاستاذ مرسفی تھے۔ سفیر افغانستان ملا شور بازار کے بھائی ملا صادق المجدّدی، اُن کے صاحبزادوں میں محمد شعیب اور محمد موسیٰ وغیرہم سے بھی بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ مصری طلبہ اور ساتھیوں سے بڑے گہرے روابط رہے۔ وقتاً فوقتاً اُن کے دیہاتوں میں جانے ،ٹھہرنے اور وہاں کے رسم ورواج اور طور وطریقہ معلوم کرنے کا بہت اچھا موقع ملا۔

مصری لوگ بڑے متواضع، نہایت مہمان نواز اور بڑی ہی محبت والے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں رہ کر انسان ذرہ برابر اجنبیت محسوس نہیں کرتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں مین بھی جمعہ وغیرہ کی نماز بڑے اہتمام اور خشوع وخضوع سے پڑھتے ہیں۔ البتہ عربوں کے طریقے پر بدلہ لینے اور رشتہ وخون کرنے کا سلسلہ بڑی حد تک قائم تھا۔ مصر کی آب وہوا بڑی معتدل ہے۔قاہرہ میں بارش برائے نام ہوتی ہے۔ روٹی سالن وغیرہ جلدی

انسان کا منہ بنا ہوا ہے۔ یہ دنیا کے عجائبات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ قاہرہ کے بالکل کنارے ہی دریائے نیل بہتا ہے جو دنیا کا دوسرے نمبر کا سب سے بڑا دریا ہے۔ مصر کی ساری زرخیزی اسی دریا کے پانی کی مرہون منت ہے۔

مصر سے واپسی میں قاہرہ سے بذریعہ ٹرین پورٹ سعید آیا۔ وہاں ایک جہاز میں پہلے سے بکنگ تھی۔ لیکن چونکہ بحر ابیض یعنی بحر روم میں سخت طوفان آیا ہوا تھا۔ اس لئے اس جہاز سے پورٹ سعید پہنچنے میں تین چار دن کی تاخیر ہوئی۔ جس کی وجہ سے ہوٹل کی مزید اقامت میں زیر بار ہونا پڑا لیکن مجبوری تھی۔ خیر خدا خدا کر کے وہ جہاز آیا۔ اس میں سوار ہو کر نہرِ سوئز سے گزرتے ہوئے سوئز شہر پہنچے۔ پھر وہاں سے روانہ ہوئے۔ کئی دن کے بعد عشاء کے قریب بمبئی سے کچھ دور سمندر میں جہاز کو لنگر انداز ہونا پڑا اس لئے کہ جہاز عادتاً رات میں بندرگاہ میں داخل نہیں ہوتے۔ صبح سویرے دن نکلنے پر جہاز گودی پر آ کر لنگر انداز ہوا۔ اس میں سے اتر کر مع سامان کسٹم میں آئے۔ کسٹم والوں نے بالخصوص تصاویر پر بہت زیادہ غور و خوض کیا۔ میں نے مصر کی مختلف عمارتوں اور مسجدوں کے یادگاری فوٹو ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا آخر ان تصویروں کو بہت گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟ اسمیں کیا تلاش کرتے ہیں تو کسٹم والوں نے بتایا کہ ہزاروں لوگ یورپ سے فحش اور بے ہودہ تصویریں کثرت سے لاتے ہیں جن کا داخلہ قانوناً منع ہے۔ میں نے کہا اس قسم کی کوئی تصویر میرے اس مجموعہ میں نہیں ہے۔ انہوں نے سامان وغیرہ کی کوئی خاص تلاشی نہیں لی۔ میں وہاں سے گھوڑا گاڑی پر بیٹھ کر بھنڈی بازار آئسکریم ہوٹل میں آ کر اُترا۔ یہ ہوٹل والد صاحب کے شاگرد رشید مولانا نور محمد مغفور و مرحوم کے بڑے بھائی کا تھا جہاں چائے و آئسکریم وغیرہ ہر چیز فروخت ہوتی تھی۔ لیکن ان کا آئسکریم اس زمانے میں بمبئی میں بہت مشہور تھا۔ مولوی نور محمد صاحب مرحوم حسنِ اتفاق سے خاصے کالے کلوٹے تھے۔ اس لئے اُن کو ازراہِ مذاق کالا نو رکہتے تھے۔ وہاں بمبئی میں کئی دن قیام رہا اور مولانا فضل کریم صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ وہ مجھے مجبور کر کے اپنی اقامت گاہ پر لے گئے، اُن کی اقامت گاہ ہمیشہ سنی علماء کی آماجگاہ رہا کرتی تھی اور محرم میں اکثر علماء کو مختلف وعظ گاہوں میں متعین کرنا بھی ان کی سفارش سے ہوا کرتا تھا۔ حضرت حکیم صاحب قبلہ مرحوم و مغفور والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے بہت

گہرے دوست تھے۔ وہیں مفتی مکی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بھی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

کئی دن اقامت کے بعد حضرت والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کو جو اس زمانے میں دادوں ضلع علی گڑھ میں نواب ابوبکر خان کے دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ میں صدرالمدرسین و شیخ الحدیث تھے، اپنے سفر کے پروگرام کی اطلاع دی۔ بمبئی سے جی آئی پی کے فرنٹیئر میل سے روانہ ہوا جو بھوپال جھانسی آگرہ ہوتا ہوا پشاور جاتا تھا۔ اس سے آگرہ میں آکر اُترا۔ وہاں حضرت والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کو منتظر پایا۔ قدم بوسی کے بعد اُن کی معیت میں اُن کے ساتھ ٹونڈلہ میں آئے۔ ٹونڈلہ میں بنارس جانے والی ٹرین میں بٹھلا دیا اور فرمایا کہ ابھی مجھے چھٹی نہیں ملی۔ چند دنوں کے بعد میں گھوسی آؤں گا پھر تم لوگوں سے مزید ملاقات ہوگی۔ جب میں بنارس پہنچا بھائی جان مرحوم مولانا حکیم شمس الہدیٰ اور سیٹھ غلام اشرف اور دوسرے لوگوں کو اپنا منتظر پایا۔ وہاں سے ہم سب لوگ گھوسی کیلئے روانہ ہوئے۔ جب گھوسی اسٹیشن پر پہنچے تو سارا پلیٹ فارم استقبال کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا اور گھوسی کی تاریخ میں اتنا زبردست استقبال اس وقت تک کسی کا نہیں کیا گیا تھا۔ وہاں سے جلوس کی شکل میں پالکی پر بیٹھ کر بڑے گاؤں پھر اپنے مکان پر پہنچے۔ کئی دن کے بعد حضرت والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ بھی آگئے اور مبارکپور سے حافظ عبدالعزیز صاحب اور حکیم صاحب بھی آئے۔ کوٹھی کے سامنے ایک استقبالیہ جلسہ عید میلاد النبی ﷺ منعقد ہوا۔ جسمیں میں نے عربی زبان میں ایک مختصر سی تقریر کی۔ حضرت والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس تقریر کی مختصر تفصیل کی اور لوگوں کو اس کا مطلب سمجھایا۔ چند دنوں رہنے کے بعد والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ دادوں تشریف لے گئے اور والد صاحب نے مجھے دادوں آنے کا حکم دے دیا۔

بقرہ عید کے بعد اس سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ بھائی جان مرحوم نے ملاّح بلا کر خود تالاب میں جال ڈلوایا اور دو تین بڑی مچھلیاں تل کر میرے ساتھ کر دیں۔ میں یہاں سے بریلی گیا اور بریلی سے کاسگنج۔ کاسگنج میں حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بیل گاڑی کا انتظام کر دیا تھا جو دادوں میں ڈھائی تین گھنٹے میں پہنچی تھی۔ اس گاڑی کو اہلو کہتے ہیں۔ جو اس علاقے میں کچے راستوں میں سفر کیلئے تیز ترین سواری تھی۔ ایک ہلکی پھلکی گاڑی ہوتی جس میں تین چار آدمی بمشکل ساتے تھے اس کو دو بیل کھینچتے تھے۔ وقتاً فوقتاً ان

بیلوں کو دوڑایا جاتا تھا۔ مولانا وقار الدین صاحب وہیں سے ساتھ ہوگئے تھے اس طریقہ سے گپ شپ کرتے ہوئے دادوں پہنچ گئے۔ ضلع علی گڑھ میں ایک نواب صاحب کی جاگیر تھی۔ نواب صاحب کا نام خان بہادر نواب ابوبکر خان تھا۔ اُنہوں نے اس زمانے میں بیس ہزار روپے سالانہ آمدنی کی ایک جائیداد ایک دینی مدرسہ پر وقف کی تھی جس کا نام حافظیہ سعیدیہ تھا۔ اس مدرسہ کے متولی خان بہادر غلام محمد خان کو، جو نواب صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، مدرسہ کو معیاری بنانے کا بہت شوق تھا۔ اسلئے اُنہوں نے اس زمانے میں والد صاحب قبلہ کو ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی خدمت پر وہاں پڑھانے کیلئے بلایا تھا اور اُن کی زندگی بھر والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ وہیں صدرالمدرسین رہے اور آخری دور کے علماء و اکابر زیادہ تر دادوں کے فارغ التحصیل تھے۔ جن میں مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، مولانا وقار الدین، نائب شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ و ناظمِ تعلیمات، مولانا عطاء المصطفیٰ مرحوم، مولانا خلیل احمد مرحوم شیخ الحدیث جین پور، مولانا سید مصطفیٰ علی مرحوم سنبھلی، مولانا حافظ مبین الدین امروہی، مولانا سید ظہیر احمد صاحب زیدی، محبوب خدا بخش، مولانا مظہر ربانی، مولانا مفتی خلیل خان صاحب مارہروی شیخ الحدیث مدرسہ احسن البرکات حیدرآباد (سندھ)، قاری محبوب رضاء خان صاحب اس زمانے میں مولانا مجیب الاسلام اور دوسرے بہت سے لوگوں نے وہاں جاکر تعلیم حاصل کی۔ میں نے وہاں والد صاحب سے دورۂ حدیث کی تعلیم شروع کی۔ ذوالحجہ کے وسط میں بخاری کتاب الجنائز تک پہنچ چکی تھی۔ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی وغیرہ نے وہاں سے کتابوں میں شرکت کی

میرے جانے کی خوشی میں حضرت والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بہت بڑا جشن منایا جس میں تمام طلبہ و مدرسین شریک ہوئے۔ وہاں ایک مٹھائی والا بہترین قسم کی بالوشاہی بناتا تھا۔ اس سے ایک ٹوکرا بالوشاہی کا بنوایا اور طلبہ کو وافر طور پر تقسیم کرایا۔ اسی دوران میں نواب غلام محمد تشریف لے آئے وہ ہمیشہ خیرآباد میں رہا کرتے تھے۔ اپنے پیر کے مزار کی مجاوری کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً مدرسہ دیکھنے کیلئے اپنے اعزاء واقرباء سے ملنے کیلئے آیا کرتے تھے۔ اُن کو جب معلوم ہوا کہ میں آیا ہوں۔ اُنہوں نے بحیثیت مدرس کے میرا تقرر کردیا اور وقف کی اپنی طرف سے دوسو روپے سالانہ میرا وظیفہ مقرر کردیا۔ جو تقریباً دو سال

تک چلتا رہا۔ ان دو سالوں میں بخاری شریف دو مرتبہ، مسلم شریف دو مرتبہ، ترمذی، ابوداؤد شریف، شرح معانی، امام ابوجعفر طحاوی، بیضاوی شریف تاختم سورۂ بقرہ اور شرح چغمنی وغیرہ کتابیں بھی والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ادب، منطق، فلسفہ، ابتدائی و متوسط اور دیگر فنون کی کتابیں وہاں کے طلبہ کو پڑھائیں۔دو سال کے بعد حضرت قبلہ سیدی وسندی مفتی اعظم مدظلہ العالی کے مطالبہ پر حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مظہرِ اسلام بی بی جی میں مجھے اور عطاء المصطفیٰ مرحوم کو تعلیم و تدریس کیلئے روانہ کیا اور جو خط دستی مجھے دیا تھا اس میں تحریر فرمایا کہ یہ دونوں بچے آپ کے یہاں تدریس کے فرائض انجام دیں گے اِن کے تمام مصارف میں خود ادا کروں گا۔اور آخر میں یہ شعر لکھا ۔

سپردم بہ تو مایہ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را

جب میں بریلی پہنچا اور حضرت مفتی اعظم مدظلہ کی خدمت میں یہ خط پیش کیا تو آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ تمہاری بی بی بچوں کا خرچ برداشت کریں اور یہاں کے بھی مصارف برداشت کریں اور اُنہوں نے سات رو۔ پے ماہوار وظیفہ اور چار روپے ماہوار ہوٹل کے کھانے کیلئے مقرر فرمائے۔اس زمانے میں حکیم و مدرس مسلم ہوٹل میں کھایا کرتے تھے، بعد میں، میں نے اور مولانا عطاء المصطفیٰ اور مولانا وقار الدین صاحب حضرات سے یہی روپیہ لے کر اپنے گھر میں کھانے کا انتظام کیا، اور وہاں حضرت نے مکان کا کرایہ مہیا فرمایا تھا۔صرف مولانا سردار احمد اور مولانا عبدالعزیز خان مرحوم کو چالیس چالیس روپے ماہوار ملا کرتے تھے ۔اس کے بعد ہم لوگ مدرسہ کے اکثر انتظامات میں دخیل ہوگئے تھے اور پوری کوشش سے مدرسہ کے مصارف بچایا کرتے تھے۔جس زمانے میں ہم لوگ مظہر الاسلام میں پہنچے تو تقریباً چالیس آدمی ہوٹل میں کھانا کھاتے تھے ۔جس کی وجہ سے مدرسہ بہت زیر بار ہوگیا تھا۔آمدنی کے ذرائع کم تھے۔مسلسل کوشش سے تمام طلبہ کو مختلف مساجد میں جگہ دلائی گئی اور کوئی طالب علم بھی ہوٹل میں نہیں کھاتا تھا۔کتابوں کو خریدنے کیلئے مولانا وقار الدین صاحب کو خصوصیت کیساتھ دہلی کا سفر کرنا ہوتا تھا اور وہاں سے مختلف مکتبوں سے بات چیت کر کے ارزاں نرخ پر کتب حدیث و درسیات حاصل کر کے لاتے تھے۔

بریلی کے زمانے میں بسااوقات سات روپے ماہوار بھی ملنا مشکل ہوجاتا تھا۔
حضرت مفتی اعظم کے پاس مطلقا کوئی رقم نہیں رہتی تھی۔لیکن صبر وشکر کیساتھ ہم لوگوں نے ادارہ کی ترقی کیلئے بڑی کوشش کی۔طلبہ کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ میرے پاس ہدایہ و مشکوٰۃ جیسی جماعت میں چالیس چالیس طلبہ مصروفِ درس رہتے تھے۔عموماً طلبہ کی استعداد بھی بڑی اچھی رہتی تھی۔میرے وہاں سے مبارکپور منتقل ہونے کے بعد مولانا سردار احمد صاحب نے کئی بار فرمایا کہ دورۂ حدیث میں اب پہلے جیسے طالب علم نہیں آتے۔ بھائی محمد یحییٰ صاحب اور حکیم شمس الہدیٰ کے انتقال کے بعد میں بریلی سے مکان پر آگیا اور ارادہ یہ تھا کہ یہاں کوئی تجارتی کاروبار کیا جائے۔ کچھ دنوں تک قادری منزل گھوسی میں رہا اور کھیتی باڑی کے کام میں مصروف رہا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مفتی ظفر علی نعمانی صاحب مدرس تھے اُنکو وہاں سے اُپلیٹہ کاٹھیاواڑ بھیج دیا گیا تو اراکینِ اشرفیہ نے والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے اصرار کیا اور اس طرح میرا تقرر دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں ہوگیا۔ حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب وہاں دوبارہ ناگپور سے تشریف لاچکے تھے۔ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی صاحب صدرالمدرسین کے عہدے سے نیچے بحیثیت مدرس کے آچکے تھے میری تنخواہ اُن کی تنخواہ سے پانچ روپے زیادہ تھی۔ اس لئے رجسٹر میں میرا نام اُن کے نام کے اوپر لکھا گیا۔ اس کی وجہ سے وہ ناراض رہے۔ انھوں نے کئی دن تک رجسٹر حاضری مدرسین پر دستخط نہیں کئے ۔بعض لوگوں کے سمجھانے بجھانے پر دستخط کرنے پر راضی ہوئے۔ حضرت حافظ صاحب قبلہ نے علاوہ اور اسباق کے، مسلم شریف کا سبق میرے ذمہ میں لگادیا اور خود بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھایا کرتے تھے۔ طلبہ اچھی استعداد کے تھے جن میں مولانا غلام رشید ارشد القادری، مولانا عبدالمنان، مولانا مطیع الرسول اور بہت سے طلبہ نے بڑے شوق و ذوق سے مسلم شریف کا سبق میرے یہاں پڑھا اور مجھے بھی اچھی محنت و مطالعہ کا بہتر موقع مل گیا۔

1947ء میں میرا معاملہ جامعہ محمدیہ شریف ضلع جھنگ پنجاب مغربی پاکستان میں طے ہوگیا تھا۔ لیکن رمضان المبارک میں پاکستان بنا اور پنجاب میں شدید ترین فسادات ہوئے جس کی وجہ سے مجھے 48 تک رکنا پڑا۔ رمضان المبارک میں پھر وہاں سے پتہ چلا کہ کھوکھراپار کے راستے سے پنجاب جایا جاسکتا ہے۔ اُدھر حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ

علیہ نے حج کی درخواست دی ہوئی تھی۔ اور وہ سفر حج کیلئے پابرکاب تھے لیکن اس زمانہ میں حکومت کی باقاعدہ اطلاع ہی پر سفر کیا جاسکتا تھا۔ اس پر والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں کب تک یہ اطلاع آئے۔ لہٰذا تم پاکستان چلے جاؤ اور جانے سے ایک دن پہلے اپنے یہاں میری دعوت کی اور فرمایا کہ یہ آخری کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ۔ عمدہ کھانا پکوا کر کے رات میں کھلایا اور صبح سویرے ہی میں اور مولانا خلیل اشرف اور مولانا غلام یٰسین صاحب اس سفر پر بذریعہ ٹرین روانہ ہوگئے۔ جب ہماری گاڑی الہ آباد کے اسٹیشن پر پہنچی تو ریلوے کے ایک مسلمان ملازم نے آکر کہا کہ آپ لوگ آگرہ کی طرف غالباً جارہے ہیں وہاں نہ جائیں۔ آگرہ میں ہندو مسلم فساد ہوگیا ہے۔ میں نے خلیل اشرف و یٰسین سے کہا کہ میں تو اپنا سفر ملتوی نہیں کرسکتا ہوں لیکن تم ابھی بالکل وطن کے نزدیک ہو اس لئے تم لوگ واپس ہوجاؤ۔ ان دونوں نے اصرار کیا کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ چلیں گے چنانچہ یہ سفر جاری رہا اور ہم لوگ ٹونڈلہ اسٹیشن پر اُتر گئے۔ وہاں ہماری ملاقات مولانا سید ظہیر الدین زیدی سے ہوئی جو خاص طور سے مجھ سے ملنے ہی کیلئے آئے تھے۔ اُنہوں نے کہا میں نے آگرہ میں تلاش کیا۔ ٹونڈلہ آیا ہوں۔ آگرہ میں فساد ہوا ہے اور شہر فوج کے حوالے کردیا گیا ہے۔ اسٹیشن پر کوئی گڑبڑ نہیں ہے آپ اطمینان سے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ آگرہ چلے گئے اور وہاں سے جودھ پور کی طرف کا سفر شروع کیا گیا۔ گاڑی میں سخت بھیڑ تھی۔ کوئی میل چل رہا تھا۔ پولیس والوں سے بات چیت کرکے ان کے ڈبہ میں خاص جگہ حاصل کرلی۔ صبح سویرے بھوپرو اسٹیشن پر اُتر گئے اور وہاں سے جودھ پور کی گاڑی سے، جودھ پور دن کے چار بجے پہنچے۔ تانگہ لیکر حاجی رمضانی صاحب فروٹ مرچنٹ کے یہاں جو والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے معتقد تھے پہنچے۔ اُنہوں نے مسجد کے مہمان خانے میں ٹھہرایا اور بہترین کھانے پینے اور مہمان داری کا بندوبست کیا۔ یہاں ٹھہر کر کئی دن تک شہر کے مختلف تاریخی مقامات دیکھے۔

وہاں سے حاجی صاحب نے ایک اور شخص جو اس راستہ کے بڑے ماہر تھے ان کے ساتھ ہمیں کردیا اور چلتے وقت تیس روپے نذرانہ دیا۔ میں نے پیسہ لینے سے انکار کردیا۔ میں نے کہا میں تو سفر پر جارہا ہوں اس نذرانہ کی کوئی طلب نہیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ

بزرگوں نے کہا ہے کہ جو رقم بغیر لالچ بلا مانگے ملے اس کو واپس نہیں کرنا چاہیئے۔ بات معقول تھی لہٰذا میں نے وہ روپے لے لئے پھر ہم لوگ وہاں سے روانہ ہوئے۔ باڑہ میر اسٹیشن پر ہمارے ایک ساتھی کو کام تھا وہ اُترے اور ہمیں بھی ساتھ لے لیا۔ ریلوے والوں نے ہمیں باہر نکلنے سے روکا لیکن ان کی وجہ سے وہ خاموش ہوئے اور باہر جانے کا راستہ دیا۔ اسٹیشن کے قریب ایک مکان میں ہم لوگوں نے قیام کیا۔ سامنے ہی ایک کنواں تھا لوگ اسمیں سے پانی بھرتے تھے۔ تقریباً ڈیڑھ سو گز گھڑے سے پانی نکالتے تھے۔ ان لوگوں کی پریشانیاں دیکھ کر بڑا افسوس معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے دن دوپہر کو وہاں سے آگے کا سفر شروع کیا۔ باڑہ میر اسٹیشن میں اس زمانے میں کسٹم ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے شیروانی پہنی ہوئی تھی، جس پر چار آنہ کسٹم لگا دیا اور اس کے علاوہ مزید رشوت کا مطالبہ کیا۔ خیر وہاں سے گاڑی روانہ ہوئی اور ہندوستان کے آخری اسٹیشن مُنا باؤ پر رات میں پہنچی۔ اپنے بستر بچھا کر ہم سو گئے۔ صبح سویرے بیدار ہوئے۔ وہاں ایک پانی کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی اس سے پانی لے کر وضو کیا اور نماز پڑھی اور لوگوں نے پانی لینا شروع کیا تو ریلوے والوں نے پانی لینے سے منع کیا چونکہ اس علاقے میں پانی کی تنگی تھی اور ان کے استعمال کا تھا اس وجہ سے پانی لینے سے روک دیا۔ ہمارے جانے سے کچھ دنوں پہلے کوئی مسلمان برادر ایک انجن اور کچھ ڈبوں کو لے کر پاکستان بھاگ گیا تھا اسلئے مناباؤ اور کھوکھرا پار کے درمیان تھوڑی دور تک ہندوستان والوں نے ریل کی پٹری اُکھاڑ دی تھی۔ یہ فاصلہ تقریباً سات آٹھ میل کا تھا۔ ہم نے ایک گدھا کرائے پر لے کر اس پر سامان لاد دیا اور خود پیدل روانہ ہوئے اور دو ڈھائی گھنٹہ میں خرام خرام کھوکھرا پار پہنچ گئے۔ یہاں پانی کا وافر انتظام تھا۔ ہم نے وضو بھی کیا اور بہترین گوشت اور روٹی سستے بھاؤ پر کھائی اور پاکستانی گاڑی پر بیٹھ گئے۔ گاڑی تقریباً رات کے دس گیارہ بجے حیدرآباد پہنچی۔ قلی سے معلوم ہوا کہ پنجاب جانے والی گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہے لیکن تکان کی وجہ سے اس گاڑی سے سفر کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور دوسرے پلیٹ فارم پر گیٹ کے قریب اپنا سامان لگا کر اور بستر بچھا کر سو گئے۔ صبح نماز فجر کے بعد مولوی غلام یٰسین اور خلیل اشرف کو بھیجا کہ جاؤ ناشتہ کرآؤ۔ اسٹیشن کے باہر ہی جھگیوں میں بے شمار ہوٹل قائم تھے، جس میں بہترین قسم کے خرما وغیرہ بہت ہی افراط اور سستے ملتے تھے۔

ہندوستان سے تقریباً چوتھائی دام پر چونکہ اس زمانے میں ہندوستان میں زیادہ گرانی تھی۔
ان دونوں نے کہا کہ باہر بالکل مفت کھانا مل رہا ہے آپ بھی جائیے ناشتہ وغیرہ کر آئیے۔
چنانچہ میں بھی باہر گیا جا کر ناشتہ وغیرہ کیا۔ وہاں سے دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے
ایکسپریس ٹرین سے روانہ ہوئے۔رات کے دو بجے خانیوال اسٹیشن پر اُتر کر وہاں سے
دوسری گاڑی سے لائل پور صبح سویرے پہنچ گئے۔لیکن معلوم ہوا کہ راستے میں ایک پل شکستہ
ہوگیا ہے۔شہر میں جا کر بس سے جانے کی کوشش کی لیکن بسوں میں جگہ نہ مل سکی اس لئے
ہم لوگ دو آدمی تھے۔کبھی ایک ٹکٹ ملتے کبھی دو۔ آخر تھک ہار کر واپس اسٹیشن پہنچ گئے
۔رات بھر وہیں آرام کیا۔ صبح گاڑی سے روانہ ہوئے۔ جہاں پر پل مخدوش تھا وہاں سے اُتر
کر قلی کے سر پر سوار ہو کر چنیوٹ پہنچے۔ چنیوٹ سے بذریعہ بس کے راستہ پر (جواب پختہ
سڑک بن گئی ہے) گیارہ بارہ میل کا سفر طے کر کے دو رٹہ کے مقام پر اُتر گئے۔ وہاں اپنا
سامان ایک دوکاندار کے حوالہ کر دیا۔ وہاں سے پیدل چل کر جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ
پہنچ گئے۔تقریباً اسوقت تین بجے کا وقت تھا وہاں شیشم کے سائے کے نیچے بچے حفظ قرآن
کر رہے تھے۔اُن کے اُستاد حافظ غلام محمد نے استقبال کیا اور پھر سارے بچوں نے پنجابی
طرز پر مصافحہ کیا۔ وہ اس طریقے سے کہ داہنا ہاتھ بڑھا کر گھٹنے کو چھوتے تھے۔ وہاں
بزرگوں کیساتھ ملاقات کا یہی طریقہ تھا۔ ابھی پاکستان بنے ہوئے ایک سال ہوا تھا۔
مسلمان قوم خاصی فلاکت زدہ تھی۔ اکثر بچے صرف تہبند باندھے ہوئے تھے۔منتظمین نے
آکر دریافت کیا کہ آپ لسی پئیں گے یا چائے۔ ہم لوگوں نے چائے پینے کی خواہش ظاہر
کی۔چائے کیساتھ ان لوگوں نے بہترین قسم کا اصلی گھی کا حلوہ لا کر دیا۔اس وقت وہاں گھی
کا بھاؤ ساڑھے تین روپے سیر تھا۔ وافر مقدار میں ملتا تھا۔آجکل پچیس سے تیس روپے سیر
تک ہے اور نایاب ہے۔ ہمارا سامان منگوا کر ہمیں ایک بہت بڑے نئے کمرے میں جو اسی
سال تیار ہوا تھا جگہ دی۔ اس ادارہ کا نام جامعہ محمدی شریف تھا۔قریب ہی دو فرلانگ کے
فاصلے پر ایک گاؤں تھا، جس کا نام محمدی تھا جو ایک بزرگ محمد صاحب کے نام کی طرف
منسوب تھا۔

پس جامعہ میں درجہ حفظ اور علوم عربیہ کیساتھ ساتھ ایک پرائمری اور ایک ہائی

اسکول بھی تھا۔ میں جس وقت وہاں پہنچا تو میں بالکل جوان تھا۔ مولانا محمد ذاکر صاحب کو، جواس ادارے کے مہتمم و بانی تھے، ذہنی طور پر بڑی تکلیف ہوئی، اس لئے کہ تصور یہ ہوتا ہے کہ شیخ الحدیث کو بوڑھا ہونا چاہیے۔ خیر چند دنوں کے بعد ایک دن بخاری شریف کا افتتاح ہوا۔ جس میں تمام طلبہ و مدرسین اور ہیڈ ماسٹر و ماسٹر صاحبان اور اسکول کے طلبہ نے شرکت کی۔ میں نے تقریباً ایک گھنٹہ تک کھڑے ہو کر حجیت حدیث' سیرت امام بخاری اور دوسری متعلقہ باتوں کی کھڑے ہو کر وضاحت کی۔ شام کو ایک شاگرد نے آکر اطلاع دی کہ مولانا محمد ذاکر بہت خوش ہیں اور اُن کو یقین آگیا ہے کہ یہ بخاری شریف وغیرہ اچھے طریقے سے پڑھا سکتے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے چند ہی دنوں کے بعد چھ ستمبر 48ء کی شام کو بڑے ابا جان حکیم محمد علی صاحب کا ٹیلی گرام ملا کہ والد صاحب کا بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ میرے تصور میں یہ بھی نہیں تھا کہ والد صاحب کے انتقال کا میرے ذہن پر اتنا بڑا صدمہ اور دکھ ہوگا۔ کئی دنوں اور راتوں تک یہ کیفیت رہی کہ آنکھوں سے نیند غائب ہو گئی۔ وہیں قریب ایک کنواں تھا جس میں رہٹ لگا ہوا تھا۔ رہٹ رات میں چلتا تو اس میں سے جو آواز آتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ فضاء سوگوار ہے اور رو رہی ہے۔ جیسے ہی میں نے تار کا ترجمہ پڑھا تو فوراً یاد آیا کہ حدیثوں میں ایسے موقع پر دعاؤں کی تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ مسلم شریف منگا کر کتاب الجنائز سے حضرت اُم سلمہ کی حدیث جس میں حضرت سلمہ کی وفات کے بعد یہ دعا سکھائی گئی تھی۔ اللہم اخرنی فی مصیبتی و اخلف خیراً منھا اور علامہ نووی کے حاشیہ میں جو دعائیں لکھی تھیں وہ بار بار پڑھی گئیں۔ 7 ستمبر کو ایک بڑی مجلس میں جامعہ محمدی شریف میں قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب ہوا۔ پاکستان کے اکثر علماء کی طرف سے تعزیتی خطوط بھی آئے۔ لیکن اس وقت تک حضرت مولانا سردار احمد صاحب سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا تھا۔ چند دنوں کے بعد ہندوستان سے حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک تعزیتی خط آیا جس میں اُنہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ میں عرصہ سے بیمار تھا اور میرا خیال یہ تھا کہ میں پہلے جاؤں گا۔ والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے چالیس ہی دن کے بعد حضرت صدر الافاضل کا بھی انتقال ہو گیا اور جیسا کہ معلوم ہے حضرت والد صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ بغرض سفر حج وطن سے بریلی شریف اور وہاں سے حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ

رضاء خان صاحب مدظلہ العالی کے ہمراہ سفر حج کیلئے بمبئی گئے۔ گھر سے ہی علیل چلے تھے لوگوں نے اصرار کیا کہ رک جائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ جو قدم دیارِ حبیب کیلئے اُٹھ چکا ہے وہ واپس نہیں ہوگا۔ چونکہ راستے میں سخت بارش اور ٹھنڈی ہوا چلی اس لئے بخار نے نمونیہ کی شکل اختیار کرلی۔ اور 2 ذوالقعدہ کی رات میں بمبئی میں 12 بج کر 26 منٹ پر انتقال فرمایا تھا اور بقول جناب مولانا ارشد القادری کہ

؎ قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں
مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینہ میں

چونکہ ہندوستان و پاکستان کے درمیان پرمٹ سسٹم رائج تھا اس لئے فوری طور پر واپسی ممکن نہ تھی۔ اس لئے محمدی شریف میں ہی درسِ حدیث اور دیگر علوم و فنون کے اسباق جاری رکھنے پڑے۔ صفر کے آخر میں مولانا مفتی ظفر علی نعمانی صاحب نے کراچی میں اعلیٰ حضرت کے عرس کا پروگرام بنایا اور مجھے اس میں شرکت کی دعوت دی۔ یہ اعلیٰ حضرت کا غالباً پہلا عرس تھا جو سرزمین پاکستان میں منایا گیا۔ میں اس میں شرکت کیلئے کراچی پہنچا۔ پھر وہاں سے پرمٹ بنوا کر ہندوستان آیا اور والد صاحب کے مزار شریف پر فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد کئی سال تک مسلسل جامعہ محمدی شریف میں دورۂ حدیث کی تعلیم کا کام اور مولوی فاضل کی تیاری کراتا رہا اور وہاں کے سالانہ بڑے بڑے جلسوں میں طلبہ کو دستار و فراغت اور سند دی جاتی رہی۔ 1952ء کے آخر میں میں ایک ضروری کام سے لاہور حاضر ہوا اور علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب سے ملاقات کیلئے حاضری دی۔ اُنہوں نے فرمایا کہ بھائی میں نے ایک خط آپ کو لکھا تھا شاید وہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ میں نے نفی میں جواب دیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ حکومتِ پنجاب میں ایک محکمہ اسلامیات کھولا ہے۔ اس میں ایک عالم کی ضرورت ہے۔ آپ کل صبح جا کر میںنڈوزا ہوٹل میں جناب ابراہیم علی چشتی سے ملاقات کرلیں جو اس محکمہ کے ڈپٹی سیکریٹری ہیں۔ میں نے اُن سے اُن کے دفتر میں جا کر ملاقات کی تو اُنہوں نے فرمایا کہ مجھے تفسیرِ کبیر میں ایک دو جگہ آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔ میں نے ان مقاماتِ تفسیر کی تعیین کردی وہ بہت خوش ہوگئے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم آپ کو کل تقرری کا خط دے دینگے۔ اور آپ کو ماہوار تین سو روپے سے زائد مشاہرہ ملے گا جبکہ جامعہ محمدی شریف

میں ڈیڑھ سو ملتے تھے۔ میں نے دوسرے دن آ کر تقرری کے کاغذ لے لئے اور دفتر میں کام شروع کر دیا۔ لاہور میں اس زمانے میں سب سے بڑی دشواری مجھ کو مکان حاصل کرنے کی تھی۔ میں حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد رحمتہ اللہ علیہ کے پاس مہمان کے طور پر ٹھہرا ہوا تھا۔ جب میرا تقرر ہو گیا تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ چونکہ میرا تقرر ہو چکا ہے لہٰذا اب میں اپنے کھانے پینے کا خود بندوبست کروں گا۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ آپ اس وقت تک کھانا ساتھ کھاتے رہیے جب تک آپ کے اہل و عیال لاہور نہ آ جائیں۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا اور مکان ملنے میں دشواری تھی اس لئے میں نے اُن کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونا ہی بہت مناسب تصور کیا۔ اسی دوران ایک دن حضرت داتا گنج بخش علی عثمان ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دینے کے وقت داتا صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کے شہر میں آیا ہوں اور مجھے مکان کی سخت ضرورت ہے آپ میری مدد فرمائیں۔ ایک دو دن کے بعد سید صاحب قبلہ علامہ نے فرمایا کہ ہمارے ایک دوست عیسیٰ بٹ بیمار ہیں آپ بھی چلیں اُن کی عیادت کی جائے۔ میں اُن کے ہمراہ چلا۔ انجمن حزب الاحناف کے دفتر سے جہاں سید صاحب رہتے تھے اُن کے مکان کا فاصلہ تقریباً ڈھائی تین فرلانگ تھا۔ عیسیٰ بٹ صاحب سے ملاقات کی اور اُن کی مزاج پرسی کی۔ عیسیٰ بٹ ایک نیک اور مخیّر آدمی تھے۔ اُنہوں نے قریب ہی ایک بڑی اور خوبصورت مسجد بنائی تھی اور اس کی پیشانی پر یہ حدیث تحریر کرائی تھی اللہ جمیل یحب الجمال اور اس مسجد میں قبر کا ٹھکانہ بھی بنایا تھا۔ عیسیٰ بٹ سے تذکرہ اور میرا تعارف کراتے ہوئے سید صاحب نے فرمایا اِن کو مکان کی ضرورت ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ میرا ایک فلیٹ چند دنوں پہلے خالی ہوا ہے جس کا کرایہ میں پچاس روپے ماہوار لیتا تھا۔ میں مولانا سے اسکا کرایہ پینتالیس روپے ماہوار لوں گا۔ وہ جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے اُن کی دوسری منزل پر وہ جگہ تھی۔ میں نے دیکھ کر وہ جگہ پسند کی اور اپنے اہل و عیال کو محمدی شریف سے وہاں لے آیا۔ چونکہ مولانا محمد ذاکر صاحب کی جامعہ میں اتنی مالی استطاعت نہیں تھی کہ وہ مجھے تین سو روپے ماہوار دے سکتے۔ اس لئے اُنہوں نے بوجہ مجبوری رخصت کیا۔ محکمہ اسلامیات کے ذمہ ایک دینی مکتبہ قائم کرنا بھی تھا۔ اس لئے میں نے کوشش کر کے بے شمار علمی و دینی کتابیں وہاں کیلئے مہیا کیں اور اس طرح سے مکتبہ اور اس کے متعلق لوگ

مینڈوزا ہوٹل سے منتقل ہوکر بینک اسکوائر کے پاس ایک عمارت میں آگئے۔

اسی زمانے میں پنجاب میں بالخصوص مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک چلی، جس کا سب سے پہلا جلسہ حزب الاحناف کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر ہوا۔ جس میں مسئلہ ختم نبوت پر میں نے بھی ایک زبردست تقریر کی جو اخبارات میں شائع ہوئی۔ اور یہ سلسلہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگا یہاں تک کہ تمام اور جماعتوں‘ فرقوں کے اشتراک سے ایک مجلس عمل بنی۔ جس کے صدر حضرت علامہ ابوالحسنات صدر جمعیت العلماء پاکستان خطیب مسجد وزیر خان لاہور تھے۔ پورے پنجاب میں اس سلسلے میں جلسے ہونے لگے۔ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے جو اس زمانے کے پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے، چالاکی سے اس تحریک کا رخ موڑنے کی کوشش کی اور علماء کو یہ باور کرایا کہ یہ مسئلہ مرکزی ہے۔ لہٰذا آپ لوگوں کو اس سلسلے میں مرکز کے وزیر اعلیٰ جناب ناظم الدین مرحوم سے رجوع کرنا چاہئے۔ چنانچہ مجلس عمل کے تمام افراد نے یہ مناسب سمجھا کہ کراچی میں جاکر جلسہ کیا جائے اور اس سلسلے میں وزیر اعظم ناظم الدین سے بھی ملا جائے۔ سوئے اتفاق سے اس زمانے میں ملک میں قحط سالی سی حالت تھی۔ مسلمانوں کے مطالبے میں سے ایک اہم مطالبہ بھی یہ تھا کہ مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے اور ظفر اللہ کو وزارتِ خارجہ کے عہدے سے الگ کیا جائے لیکن عیار و مکار انتظامیہ اور ظفر اللہ نے ناظم الدین کو یہ سمجھا دیا تھا کہ اگر میں ہٹ جاؤں گا تو آپ کو امریکہ سے گندم نہیں ملے گا۔ جس کی وجہ سے اُنہوں نے مسلمانوں کے مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مجلس عمل نے اپنے اجلاس میں راست اقدام کا فیصلہ کیا۔ مودودی صاحب اس فیصلے کے بعد اتحاد سے الگ ہوئے اور احتشام الحق تھانوی نے ناظم الدین سے خفیہ ملاقات کر کے، جیسا کہ کہا جاتا ہے مجلس عمل کی کارروائی کی پوری رپورٹ دے دی اور رات کے بارہ اور دو کے درمیان مجلس عمل اور اس سے متعلق تمام سرکردہ لوگوں کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ان ارکان میں حضرت علامہ ابوالحسنات اور مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا محمد عمر نعیمی، عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر حضرات تھے پھر اس گرفتاری کا سلسلہ وسیع تر ہوگیا۔ یہاں تک کہ مفتی ظفر علی نعمانی‘ مولانا جمیل احمد صاحب نعیمی اور دوسرے بے شمار رضاء کار گرفتار کئے جاتے یا پچیس میل دور جنگلوں میں بھوکا پیاسا چھوڑ دیا

جاتا۔ اُدھر پنجاب میں مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری کی وجہ سے ایک سناٹا سا تھا۔ لیکن ہمارے علماء میں سے امین الحسنات قادری صاحب اور سید محمد خلیل صاحب نے لاہور کے اکثر دیوبندی، اہل حدیث علماء سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن اُنہوں نے تحریک میں شمولیت سے اور اس کی قیادت سے معذرت کردی۔ جیسا کہ مجھ سے اس زمانے میں مولانا سید خلیل اللہ صاحب قادری ابن حضرت علامہ ابوالحسنات نے بیان کیا تھا۔ اور اُنہوں نے بتایا کہ صرف مولانا عبدالستار صاحب نیازی نے جامع مسجد وزیر خان میں آنے اور وہاں سے تحریک کی قیادت اور اشتراک عمل کا وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ اور مولانا خلیل صاحب ان دونوں حضرات نے جامع مسجد وزیر خان سے تحریک کی قیادت شروع کی اور باہر سے آنے والے رضاء کاروں اور لوگوں کو منظم جلوسوں میں نکلنے کی ہدایات جاری کیں۔ خود لاہور کے لوگوں نے بڑی سرفروشی اور بڑی قربانی کا مظاہرہ کیا۔ رضاء کاروں کے کھانے پینے اور ٹھہرنے کا وسیع بندوبست کیا۔ اس طرح سے لاہور میں پر امن اور لاکھوں افراد پر مشتمل جلوس نکلنے لگے۔ دولتانہ نے گھبرا کر پولیس کے افراد اور غنڈوں کو بھیج کر مجمع کی طرف سے پتھراؤ اور شرارتوں کا آغاز کرا کر لاٹھی چارج اور ہوائی فائرنگ کا بہانہ نکالا لیکن پولیس کے تشدد کے مقابلے میں عوام کے حوصلے بڑھتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ شہر میں پولیس کا باوردی کوئی نظر نہیں آتا تھا اور جلوس نعرہ تکبیر اور نعرۂ رسالت لگاتے ہوئے شہر میں چکر لگاتے تھے۔ اسی دوران ایک جلوس پر جو باہر سے آیا تھا سخت ترین لاٹھی چارج کیا گیا اور جلوس والوں کے گلے میں قرآن کریم تھا اس کی بے حرمتی کی افواہ پورے شہر میں پھیل گئی اور لاہور کا شہر سخت مشتعل ہوگیا۔ گورنمنٹ نے ڈی ایس پی فردوس شاہ کی قیادت میں ایک دستہ مسجد وزیر خان سے حضرت عبدالستار خان نیازی اور مولانا خلیل کی گرفتاری کیلئے بھیجا جب یہ دستہ مسجد وزیر خان کے قریب پہنچا تو عوام نے اسے گھیر لیا اور مکوں سے فردوس شاہ اور اُس کے ساتھیوں کی تواضع کی جس میں اور پولیس والے کسی نہ کسی صورت سے بھاگ گئے لیکن فردوس شاہ مارا گیا۔ اس کے بعد دولتانہ نے رینجرز کو بلا کر شہر میں بے تحاشا فائرنگ کرائی۔ جس کے جواب میں لوگوں نے ڈاکخانوں اور اومنی بسوں پر حملے شروع کئے اور بعض مقامات پر مرزائیوں کی جائیدادیں بھی جلائی گئیں اور اس طریقے سے رینجرز بھی عوامی سیلاب کے

مقابلے میں بے دست و پا، نظر آنے لگی تو ناظم الدین نے شہر میں مارشل لاء کا اعلان کر دیا اور لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان کو مارشل لاء کا افسر اعلیٰ بنادیا۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ بے تحاشا گولیاں اس کی آڑ میں مرزائیوں نے عوام پر چلائیں اور یہ مارشل لاء لاہور میں کئی مہینے تک جاری رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ مارشل لاء کی ہیبت لوگوں کے ذہنوں سے کم ہوتی چلی گئی۔ مرکزی گورنمنٹ نے چیف جسٹس منیر کے ذریعے سے ان تمام معاملات کی تحقیق کیلئے ایک عدالت تشکیل دی جس کا کارنامہ منیر رپورٹ کی شکل میں شائع ہوا۔ یہ رپورٹ بھی ایک جانبدارانہ ایک غیر منصفانہ کوشش سمجھی گئی۔

یہ تمام واقعات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور معتبر لوگوں سے سنے۔ فوجی حکمرانوں نے تین آدمیوں کی پھانسی کا اعلان کیا۔ ایک مولانا عبدالستار خان نیازی، دوسرے مولانا سید خلیل صاحب اور تیسرے مودودی صاحب۔ غالباً سردار عبدالرب نشتر جو اس زمانے میں مرکزی وزیر تھے اور دوسرے لوگوں کی کوشش اور سعی سے ان تینوں کی سزائیں منسوخ ہوگئیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ ان سزاؤں کا کوئی ایسا قانونی یا اخلاقی جواز نہیں تھا۔ اِسے بھی مرزائیوں کی ایک سازش کا حصہ سمجھنا چاہیئے۔ ویسے مولانا مودودی اور ان کی جماعت نے تحریک کے سلسلے میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا اور کسی قسم کی کوئی قیادت نہیں کی۔ بیشتر علماء پنجاب اور سندھ کے اور صوبہ سرحد کے طویل عرصے تک جیلوں میں نظر بند رہے اور حکومت نے اُن کے ساتھ انتہائی تشدد اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن حضرات کو سکھر جیل میں شدید گرمی میں نظر بند کیا۔ اِن نظر بندوں میں مولانا ابوالحسنات، مولانا عبدالحامد بدایونی، صاحب زادہ فیض الحسن اور ہمارے اہل سنت کے علماء میں سے ممتاز شخصیتیں تھی۔ سکھر کی گرمی اور وہاں کے ماحول کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علامہ ابوالحسنات وہاں سے آنے کے بعد صحت کی خرابی کی بناء پر بیمار رہے اور جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِن کا مزار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے میں ہے۔ تحریک ختم نبوت اگرچہ بظاہر ناکامیاب ہوگئی لیکن مسلمانوں کے دلوں میں اِس کی تلخیاں اور یادیں اپنا گھر کر گئیں اور آخر میں مسلمانوں کے عزم و استقلال نے مرزائیوں کو کافر اقلیت قرار دے کر ہی دم لیا۔

جاتا۔ اُدھر پنجاب میں مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری کی وجہ سے ایک سناٹا سا تھا۔ لیکن ہمارے علماء میں سے امین الحسنات قادری صاحب اور سید محمد خلیل صاحب نے لاہور کے اکثر دیوبندی، اہل حدیث علماء سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن اُنہوں نے تحریک میں شمولیت سے اور اس کی قیادت سے معذرت کر دی۔ جیسا کہ مجھ سے اس زمانے میں مولانا سید خلیل اللہ صاحب قادری ابن حضرت علامہ ابوالحسنات نے بیان کیا تھا۔ اور اُنہوں نے بتایا کہ صرف مولانا عبدالستار صاحب نیازی نے جامع مسجد وزیر خان میں آنے اور وہاں سے تحریک کی قیادت اور اشتراک عمل کا وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ اور مولانا خلیل صاحب ان دونوں حضرات نے جامع مسجد وزیر خان سے تحریک کی قیادت شروع کی اور باہر سے آنے والے رضاء کاروں اور لوگوں کو منظّم جلوسوں میں نکلنے کی ہدایات جاری کیں۔ خود لاہور کے لوگوں نے بڑی سرفروشی اور بڑی قربانی کا مظاہرہ کیا۔ رضاء کاروں کے کھانے پینے اور ٹھہرنے کا وسیع بندوبست کیا۔ اس طرح سے لاہور میں پر امن اور لاکھوں افراد پر مشتمل جلوس نکلنے لگے۔ دولتانہ نے گھبرا کر پولیس کے افراد اور غنڈوں کو بھیج کر مجمع کی طرف سے پتھراؤ اور شرارتوں کا آغاز کرا کر لاٹھی چارج اور ہوائی فائرنگ کا بہانہ نکالا لیکن پولیس کے تشدد کے مقابلے میں عوام کے حوصلے بڑھتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ شہر میں پولیس کا باوردی کوئی نظر نہیں آتا تھا اور جلوس نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت لگاتے ہوئے شہر میں چکر لگاتے تھے۔ اسی دوران ایک جلوس پر جو باہر سے آیا تھا سخت ترین لاٹھی چارج کیا گیا اور جلوس والوں کے گلے میں قرآن کریم تھا اس کی بے حرمتی کی افواہ پورے شہر میں پھیل گئی اور لاہور کا شہر سخت مشتعل ہو گیا۔ گورنمنٹ نے ڈی ایس پی فردوس شاہ کی قیادت میں ایک دستہ مسجد وزیر خان سے حضرت عبدالستار خان نیازی اور مولانا خلیل کی گرفتاری کیلئے بھیجا جب یہ دستہ مسجد وزیر خان کے قریب پہنچا تو عوام نے اسے گھیر لیا اور مکوں سے فردوس شاہ اور اُس کے ساتھیوں کی تواضع کی جس میں اور پولیس والے کسی نہ کسی صورت سے بھاگ گئے لیکن فردوس شاہ مارا گیا۔ اس کے بعد دولتانہ نے رینجرز کو بلا کر شہر میں بے تحاشا فائرنگ کرائی۔ جس کے جواب میں لوگوں نے ڈاکخانوں اور اومنی بسوں پر حملے شروع کئے اور بعض مقامات پر مرزائیوں کی جائیدادیں بھی جلائی گئیں اور اس طریقے سے رینجرز بھی عوامی سیلاب کے

مقابلے میں بے دست و پاء نظر آنے لگی تو ناظم الدین نے شہر میں مارشل لاء کا اعلان کر دیا اور لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان کو مارشل لاء کا افسر اعلیٰ بنادیا۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ بے تحاشا گولیاں اس کی آڑ میں مرزائیوں نے عوام پر چلائیں اور یہ مارشل لاء لاہور میں کئی مہینے تک جاری رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ مارشل لاء کی ہیبت لوگوں کے ذہنوں سے کم ہوتی چلی گئی۔ مرکزی گورنمنٹ نے چیف جسٹس منیر کے ذریعے سے ان تمام معاملات کی تحقیق کیلئے ایک عدالت تشکیل دی جس کا کارنامہ منیر رپورٹ کی شکل میں شائع ہوا۔ یہ رپورٹ بھی ایک جانبدارانہ ایک غیر منصفانہ کوشش سمجھی گئی۔

یہ تمام واقعات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور معتبر لوگوں سے سنے۔ فوجی حکمرانوں نے تین آدمیوں کی پھانسی کا اعلان کیا۔ ایک مولانا عبدالستار خان نیازی، دوسرے مولانا سید خلیل صاحب اور تیسرے مودودی صاحب۔ غالباً سردار عبدالرب نشتر جو اس زمانے میں مرکزی وزیر تھے اور دوسرے لوگوں کی کوشش اور سعی سے ان تینوں کی سزائیں منسوخ ہوگئیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ ان سزاؤں کا کوئی ایسا قانونی یا اخلاقی جواز نہیں تھا۔ اِسے بھی مرزائیوں کی ایک سازش کا حصہ سمجھنا چاہیئے۔ ویسے مولانا مودودی اور ان کی جماعت نے تحریک کے سلسلے میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا اور کسی قسم کی کوئی قیادت نہیں کی۔ بیشتر علماء پنجاب اور سندھ کے اور صوبہ سرحد کے طویل عرصے تک جیلوں میں نظر بند رہے اور حکومت نے اُن کے ساتھ انتہائی تشدد اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن حضرات کو سکھر جیل میں شدید گرمی میں نظر بند کیا۔ اِن نظر بندوں میں مولانا ابوالحسنات، مولانا عبدالحامد بدایونی، صاحب زادہ فیض الحسن اور ہمارے اہل سنت کے علماء میں سے ممتاز شخصیتیں تھی۔ سکھر کی گرمی اور وہاں کے ماحول کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علامہ ابوالحسنات وہاں سے آنے کے بعد صحت کی خرابی کی بناء پر بیمار رہے اور جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِن کا مزار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے میں ہے۔ تحریک ختم نبوت اگرچہ بظاہر ناکامیاب ہوگئی لیکن مسلمانوں کے دلوں میں اِس کی تلخیاں اور یادیں اپنا گھر کر گئیں اور آخر میں مسلمانوں کے عزم و استقلال نے مرزائیوں کو کافر اقلیت قرار دے کر ہی دم لیا۔

تحریک کے ختم ہونے کے بعد ہمارا دفتر بھی اس سلسلے میں ملوث مانا گیا اور ابراہیم علی چشتی کو گرفتار کرلیا اور بعد میں ملازمت سے اُن کو سبکدوش کر دیا گیا۔ اس دوران میں حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث پاکستان کے اشارے پر ہارون آباد سے کچھ احباب جامعہ رضویہ منظر اسلام ہارون آباد کی صدارت و شیخ الحدیثی کیلئے مجھ سے ملے۔ چونکہ ہمارے دفتر میں کوئی تعلیمی مشغلہ نہیں تھا۔ اس لئے میں نے لاہور چھوڑنے کا اور ہارون آباد جانے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ بات یاد رہے کہ میں لاہور میں جتنے عرصے رہا، روزانہ تقریباً ڈھائی دو گھنٹے حزب الاحناف میں فقہ اور اُصول فقہ کی کتابیں پڑھاتا رہا اعزازی طور پر اور آخر میں مولانا مفتی محمد حسین صاحب کیساتھ مل کر جامعہ نعیمیہ قائم کیا جس کے بنیادی ممبروں میں اور اراکین میں میرا نام تھا اور وہیں اعزازی طور پر میں نے بخاری شریف کا سبق طلبہ دورۂ حدیث کو پڑھانا شروع کیا۔ جب میں نے لاہور ترک کرنے کا ارادہ کیا تو مفتی محمد حسین صاحب سے کہا کہ اگر آپ مجھے اتنا مشاہرہ دے سکیں جتنا کہ مجھے محکمہ اسلامیات سے ملتا ہے تو میں آپ کے یہاں مستقلاً کام کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن مالی مجبوری کی وجہ سے اُنہوں نے معذرت کرلی۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ تحریکِ ختم نبوت کے زمانے بالخصوص مارشل لاء کے دور میں جب کہ مذہبی تقریروں پر سخت پابندی تھی۔ مفتی محمد حسین صاحب نے اسی موضوع پر متعدد تقریریں کیں اور اُن کو بھی گرفتار کر کے نظر بند کیا گیا اسی طریقے سے اسی جرم کی پاداش میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب کو مع بہت سے ساز و سامان کے گرفتار کرلیا جو مہینوں تک گورنمنٹ کے مہمان رہے۔ غرض یہ کہ اس تحریک کے سلسلے میں شاید ہی کوئی مشہور عالم دین ہو جو گرفتار نہ کیا گیا ہو۔

میں جب ہارون آباد پہنچا تو وہاں میرے ذمّہ جامعہ رضویہ میں درس و تدریس اور جامع مسجد میں امامت اور خطابت کا کام سپرد کیا گیا۔ اس سے پہلے ہارون آباد کے لوگوں نے تنویر شاہ کو امامت و خطابت سے الگ کر دیا تھا اور وہاں دو پارٹیاں ہوگئی تھیں ایک پارٹی تنویر شاہ کو چاہتی تھی ایک پارٹی مخالف تھی۔ یہ مسجد جس میں، میں خطابت کر رہا تھا ریاست بہاولپور کے محکمہ اوقاف کے ماتحت تھی۔ محکمہ اوقاف کا وزیر تنویر شاہ کے مویدوں کا رشتے دار تھا۔ لہٰذا اُنہوں نے کوشش کر کے میرا تقرر منسوخ کرادیا۔ تقریباً ایک مہینے یا اس سے زائد یہ

جھگڑا چلتا رہا۔ آخرش ریاست کے وزیر اعلیٰ سید حسن محمود کو ہارون آباد آنا پڑا۔ میاں فتح محمد لال جو کسی زمانے میں وزیر بھی رہے تھے، اُن کے یہاں ایک بہت بڑی دعوت ہوئی جس میں فریقین کے درمیان گفت وشنید کا سلسلہ شروع ہوا۔ آخرش یہ طے کیا گیا کہ بحیثیت خطیب کے میرا تقرر صحیح ہے۔ لیکن انتظام مسجد کی کمیٹی مخالفین کے حصے میں آئی ہمارے مؤیدین سخت پریشان ہوئے اور اُنہوں نے کہا اب مدرسہ کا انتظام ہم نہیں چلا سکتے آپ اسے سنبھالیں ۔میں نے جامعہ رضویہ منظر اسلام ہارون آباد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور غلہ منڈی کے لوگوں سے تعلقات مضبوط کئے اور آہستہ آہستہ جامعہ کے پاس خاصا مضبوط فنڈ ہوگیا۔ چنانچہ میں نے ایک بڑی زمین جو چھ ہزار گز پر مشتمل تھی اور افتادہ پڑی ہوئی تھی وہاں مدرسہ کے تعمیر کی کوشش شروع کی ۔معلوم ہوا کہ یہ زمین بیس پچیس آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ۔اِن سب لوگوں نے بخوشی یہ زمین جامعہ کو دے دی۔ میں نے وہاں چار بہت بڑے کمرے پختہ تعمیر کرائے اور غلہ منڈی کی مسجد سے مدرسہ منتقل کرکے اس عمارت میں شروع کردیا۔ مدرسہ کے سلسلے میں سالانہ جلسے بھی بہت شاندار منعقد کئے جاتے تھے۔ مشہور علماء ومقررین کو شرکت جلسہ میں وقتاً فوقتاً دعوت دی جاتی تھی۔ جس میں حضرت مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی مرحوم ،مولانا عبدالحفیظ صاحب سابق مفتی آگرہ ،علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی ،مولانا مفتی غلام محمد محی الدین گیلانی اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی جنکا ابھی ابتدائی دور تھا بحیثیت مقرر ونعت خواں بلائے جاتے تھے۔ جلسے سے تقریباً پچیس تیس ہزار روپے کی آمدنی ہوا کرتی تھی۔ میرے آنے کے بعد سے اس تمام علاقے میں سنیت کی بڑی مضبوطی اور پختگی ہوئی۔ دیوبندی عام طور سے یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ بریلویوں کو گانا آتا ہے اُن میں کوئی عالم نہیں ہے۔ لیکن تمام کو میرے مقابلے میں شکست ہوئی اور اُن کا منہ بند ہوگیا ۔اِرد گرد کے دیہاتوں میں بھی اور چکوں میں لوگوں کا تعاون دارالعلوم کیساتھ بڑھنے لگا اور بفضلِ تعالیٰ یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔ میری موجودگی میں بلکہ بعد تک بھی کسی دیوبندی کو چیلنج اور بحث ومناظرہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ہمارے علماء سے ایک مناظرہ ہاکڑہ مبز کے چک میں ہوا جس میں اُن کو شکست فاش ہوئی۔ میں صدر جلسہ تھا اور اہلسنت کی طرف سے مناظر مولانا عنایت اللہ سانگلہ ہل والے اور مولانا غلام مہر علی چشتیاں شریف والے تھے ۔جب مدرسہ کی

وافر آمدنی ہوگئی تو بعض لوگوں کو، جو ابن الوقت ہوتے ہیں اور کھانے پینے کا شوق رکھتے ہیں تشویش پیدا ہوئی۔ اُنہوں نے کوشش کی کہ آمدنی پر ان کا قبضہ اور تسلط ہو۔ میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس ادارے کی بہت خدمت کی ہے اور لوگ میری خدمات کی قدر کرینگے استعفیٰ دے دیا اور مالی انتظام سے سبکدوشی کا اعلان کردیا۔ لوگوں نے بغیر کسی پوچھ گچھ کے ایک نئی کمیٹی بنادی اور مجھ سے یہ پوچھا بھی نہیں کہ کیوں استعفیٰ دے دیا۔ اِن لوگوں کی یہ حرکت مجھے بہت ناگوار گزری اور میں نے صدر مدرسین اور امامت و خطابت سے بھی استعفیٰ دے دیا۔ لوگوں نے کئی دفعہ میرا بندھا ہوا بستر بھی کھول دیا لیکن میں نے وہاں سے جانے کا قطعی فیصلہ کرلیا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تجربہ حاصل ہوا کہ کسی عہدہ سے دھمکی کے طور پر کبھی استعفیٰ نہیں دینا چاہئے کہ مخالفین کو بہترین ہتھیار مل جاتا ہے۔

مفتی ظفر علی صاحب کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اُنہوں نے اصرار کرکے مجھے کراچی بلالیا۔ جو عمارت میں نے جامعہ رضویہ کیلئے بنائی تھی اسے لوگوں نے رضویہ ہائی اسکول پھر اُسے رضویہ ڈگری کالج تک ترقی دے دی او رمدرسہ کیلئے ایک دوسرے پلاٹ میں خوبصورت عمارت قائم کردی جو ابھی تک کام کررہی ہے۔ وہاں کئی مدرسین وحفاظ تعلیم و تدریس میں مشغول ہیں۔ میں نے ہارون آباد کی جامع مسجد کیلئے جو میرے آنے سے بہت پہلے تعمیر ہوچکی تھی اور بہت ہی شاندار مسجد تھی۔ ایک منزل کرسی پر وہ تعمیر ہوئی تھی اور تقریباً سو سو فٹ اونچے اس کے دو شاندار مینار رکھے لیکن اندر یا باہر مینار پر پلاسٹر نہیں ہوا تھا اور مسجد کا اندرونی فرش اور بیرونی فرش بھی بالکل کچا تھا۔ ایک کمیٹی بنا کر جس میں محمد شریف اور دوسرے لوگ شامل تھے۔ جمعہ میں چندے کی اپیلیں کیں لوگوں نے اِن اپیلوں پر لبیک کہنا شروع کیا اور پوری مسجد اور میناروں کا سنگِ مرمر چونے سے پلاستر کرایا گیا اور اندر کا فرش پختہ کرایا گیا۔ محرابوں پر بہترین گل بوٹے بنائے گئے اور شیشہ وغیرہ سے مزین کیا گیا اور صحن کا فرش چپس کا، مصلا نما بہت خوبصورت بنایا گیا۔ مسجد کے پاس دریاں بھی نہیں تھیں پوری مسجد میں بچھانے کیلئے دریوں کا انتظام کیا گیا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے گھر کی یہ عظیم خدمت مجھ سے لی۔

ہارون آباد سے کراچی روانہ ہوئے اور دارالعلوم امجدیہ میں جو دو دُکانوں پر

مشتمل تھا اس میں آکر مع بال بچوں کے قیام کیا۔ دن میں عورتوں اور بچوں کو ایک گوشہ میں کردیا جاتا اور پڑھائی کا کام ہوتا۔ تقریباً چالیس پینتالیس طلبہ تھے اور پانچ مدرسین۔ یہی دونوں دُکانیں آج بھی مکتبہ رضویہ کی شکل میں موجود ہیں۔ مدرسہ کے پاس کوئی آمدنی کا بھی ذریعہ نہیں تھا۔ کراچی جانے کے کچھ دنوں کے بعد ایوب خان کا مارشل لاء آگیا اور آمدنی کی رہی سہی توقع بھی ختم ہوگئی۔ اس لئے کہ گورنمنٹ نے تمام تجار سے اور ملازمین سے اُن کی حقیقی دولت معلوم کرنے کا آرڈر نافذ کردیا۔ اِن سڑکوں پر بڑی بڑی لاوارث گاڑیاں پولیس کو ملیں۔ لیکن اس ابتلاء اور مصائب کے زمانے میں بڑے صبر وتحمل کیساتھ مدرسہ کو چلانے کی کوشش کی گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ طلبہ کی خوراک کا انتظام کرنا بھی مشکل و دشوار ہوگیا۔ ایک دوست حاجی انور صاحب توکل والوں سے ملا اور انہوں نے دوسو روپے دے دیئے ایک سو روپے اختر علی صاحب جو مفتی ظفر علی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں، نے دیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر الشّریعہ اور اولاد کی تعلیم وتربیت

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ از ہری رحمتہ اللہ علیہ

ہر اولاد اپنے باپ سے خوش ہوتی ہے اور اسے پسند کرتی ہے- یہ ایک فطری جذبہ ہے کہ لوگ اپنے والد اور دادا سے محبت کریں اور ان پر فخر کریں۔لیکن ہم لوگوں کا فخر عالی نسبی شریف حسبی نہیں بلکہ وہ علوم ومعارف ،وہ زہد وتقویٰ اور وہ ورع اور للّٰہیت ہے جو ہم نے اپنی آنکھوں سے والد صاحب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ میں دیکھی اور پرکھی-

حضرت کے تمام معاصرین اب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں اور اپنے رب کے حضور حاضر ہیں- صرف حضرت سیدی وسندی مفتی اعظم متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ تشریف فرما ہیں- تمام معاصرین میں سے حضرت کو یہ برتری ہماری نگاہ میں حاصل تھی کہ آپ نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس، تعلیم وتعلم ،افتاء وتذکیر میں گزار دی۔ اسباق پڑھانے کا اتنا شوق اور حوصلہ میں نے اور میرے ساتھیوں میں سے کسی نے بھی اور کسی میں نہیں دیکھا- صبح سویرے سے 12 بجے تک دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں وقت کی پابندی سے درس دیتے- اس کے بعد مدرسہ کا تعلیمی وقت ختم ہو جاتا تو مزید طلباء کو ایک بجے تک پڑھاتے- پھر گھر واپس آتے جو درگاہِ معلیٰ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی علیہ الرحمہ سے دس منٹ کے فاصلہ پر تھا- کھانا کھاتے اور مختصر قیلولہ فرماتے۔ پھر نمازِ ظہر ادا کرتے اور 2 بجے سے 4 بجے تک بعد دوپہر درس میں مشغول ہو جاتے- چار بجے مدرسہ کا وقت ختم ہوتا تو اس کے بعد 5 بجے تک پھر طلباء کو مزید درس، علاوہ مدرسہ کے درس

پڑھاتے۔عصر کی نماز جامع مسجد شاہجہانی درگاہِ معلیٰ میں پڑھتے اور لوگ کثرت سے آپ کے پیچھے جماعتِ ثانیہ میں شریک ہوتے- جمعہ ہمیشہ بلاناغہ درگاہ معلیٰ میں ہی ادا فرماتے تھے اور پھر احتیاطاً ظہر پڑھتے- سردیوں میں یہ لائحہ عمل ہوتا۔گرمیوں میں مدرسہ ساڑھے 12 بجے تک رہتا۔پھراس کے بعد ایک ڈیڑھ بجے تک درس دیتے- گھر واپس آتے' کھانا کھاتے، قیلولہ کرتے اور 3 بجے سے 6 بجے تک از سرنو تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور عصر کے قریب ختم ہوتا- پھرعصر کی نماز درگاہ شریف میں پڑھتے یا کسی اور مقام پر۔اور گھر سے دولت باغ جو تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا، تفریح کے لئے جاتے- (اس لئے کہ ڈاکٹروں اور حکیموں نے صحت اور جسم کی توانائی کے لئے اس کا مشورہ دیا تھا۔لیکن یہ تفریح بھی برائے نام تھی۔) حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار رحمتہ اللہ علیہ (محدثِ اعظم پاکستان) آپ کے ہمرکاب ہوتے اور اسباق کا سلسلہ جاری رہتا۔

ایک بار خود مولانا سردار احمد رحمتہ اللہ علیہ نے دارالعلوم امجدیہ کے جلسہ دستارِ بندی میں اپنی خصوصیتِ تلمیذی اور شرفِ تلمذ کے بیان میں پوری تفصیل بیان کی۔خود میرا مشاہدہ بھی تھا اس لئے کہ میں اور بہت سے دوست بھی روزانہ دولت باغ جاتے۔ دولت باغ میں حضرت مغرب کی نماز وہاں بڑے لان میں پڑھتے۔اذان و اقامت ہوتی اور نماز ہوتی۔ جماعت دیکھ کر باغ میں آنے والے کئی کئی سو آدمی اس جماعت میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔اس کے بعد رات کو گھر تشریف لاتے۔کھانا کھاتے اور پھر کتابوں کا مطالعہ ہوتا۔ہم سب لوگ لالٹین کے آمنے سامنے بیٹھ جاتے اور مطالعہ میں مصروف ہوتے۔عشاء کی نماز پڑھی جاتی اور پھر دس گیارہ بجے رات تک ہم لوگ سو جاتے اور حضرت کافی رات تک مطالعہ فرمایا کرتے تھے-

صبح سویرے بیدار ہوتے- نماز فجر ادا کرتے اور ایک پارہ قرآن مجید کا ہمیشہ تلاوت کرتے اور شجرہ طیبہ کا ورد کرتے اور کچھ اوراد و وظائف پڑھتے۔لیکن مختصر، وقت ہی بہت کم تھا- ناشتہ کرتے اور پھر سیدھے مدرسہ۔ جمعہ کے دن تعطیل ہوتی اور جمعرات کو آدھی تعطیل ہوتی تھی- اسباق کا ناغہ بالکل نہیں ہوتا تھا- سر میں درد کی اگر شکایت کی جاتی تو فرماتے کہ طالب علم کے سر میں درد نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا- سر کا درد کوئی بیماری نہیں۔نہ خود

چھٹی لیتے اور نہ چھٹی کو پسند کرتے۔ نہ ادھر ادھر کی باتیں ہوتیں۔ بس وقت شروع، سبق شروع، وقت ختم، سبق ختم۔ دوسرے کسی استاد میں یہ بات نہ تھی سوائے حضرت مولانا حکیم سید عبدالمجید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے۔ وہ بھی اس بات کو پسند نہ کرتے کہ ادھر ادھر کی باتیں ہوں لیکن ہم لوگ کچھ نہ کچھ وقفہ، کبھی کبھی ان کے یہاں نکال لیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت قبلہ صدر الشریعہ کے یہاں کسی کو اس کی جرأت ہی نہ ہوا کرتی تھی۔ تشفی وتسلی کے لئے اشکال پیش کرتے تو معقول ومدلل جواب عطا فرماتے۔ لیکن کسی کو فضول اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ جہاں تک میں جانتا ہوں اس زمانے کے معاصرین میں بہت کم لوگ اس قدر جم کر پڑھاتے ہوں گے۔ جلسہ جلوس میں بھی شریک نہ ہوتے۔ صرف سال میں دو تین بار ناغہ کرتے اور رخصت لیتے۔ ایک گیارہویں شریف کے جلسہ کے لئے پالی مارواڑ جاتے جو آخر عمر تک ہمیشہ معمول رہا۔ دوسرے اجمیر شریف یا جہاں بھی ہوں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس شریف میں برابر حاضری دیتے۔ میرے علم میں نہیں کہ کسی عرس سے آپ نے غیر حاضری کی ہو۔ ایک زمانہ میں عرس شریف سخت بارشوں میں آئے لوگوں نے رائے دی کہ وقت کو ٹالا جائے آپ نے سختی سے مخالفت کی۔ چنانچہ حضرت حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب سجادہ نشین اور حضرت مفتی اعظم نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔ اِن چھٹیوں کے علاوہ کوئی چھٹی نہیں کرتے سوائے ان تعطیلات کے جو مسلمانوں یا مدارسِ دینیہ میں معمول تھیں۔

میں نے سب سے اہم کتاب ''میزان'' و ''منشعب'' حضرت سے پڑھی۔ اس کے بعد شرح مائتہ عامل، کافیہ، شرح جامی، قطبی، میر قطبی، ملا حسن، میر زاہد، ملا جلال، رسالہ قاضی مبارک چند اسباق شمس بازغہ اور امور عامہ کے، اس کے بعد میں مصر چلا گیا۔ واپسی کے بعد دادوں ضلع علی گڑھ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں تفسیر بیضادی تا آخر سورہ بقرہ، تشیح الافلاک، شرح چغمنی، صدرا، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابو داؤد شریف، نسائی شریف، شرح معانی الآثار امام ابو جعفر طحاوی دونوں جلدیں مکمل، میراث میں سراجی بھی اجمیر شریف میں پڑھی۔ اس (یعنی صرف سراجی کے) سبق میں حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز، مولانا سردار احمد صاحب اور ان کے بقیہ ساتھی سب ہی شریک تھے۔

حضرت والد صاحب قبلہ سے ان کا تصنیف کیا ہوا اسلامی قاعدہ بھی ابتدا میں پڑھا اور پھر اردو کی دوسری کتاب پڑھی- فارسی میں' میں نے والد صاحب قبلہ سے گلستاں باب ششم پہلے پھر گلستاں باب سوم بعد میں پڑھے-غرض کہ حضرت والد صاحب کے تلامذہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے مجھ سے زیادہ کتابیں حضرت سے پڑھی ہوں-

والد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے بالترتیب یہ لڑکے تھے- مولانا حکیم شمس الہدیٰ مرحوم' مولانا محمد یحییٰ مرحوم' عبدالمصطفیٰ الازہری غفرلہ (راقم الحروف) اور مولانا عطاء المصطفیٰ مرحوم- ہم چاروں بھائی ایک والدہ سے تھے جن کا نام کریمہ تھا- یوں تو سب بھائیوں سے محبت کرتے تھے- جہاں تک میرا تعلق ہے میں بہت منہ لگا اور بے تکلف تھا- اگر دونوں بزرگ بھائیوں کو کوئی بات والد صاحب سے منوانی ہوتی تو مجھ کو فرمایا کرتے تھے- بڑے بھائی حکیم شمس الہدیٰ حضرت والد صاحب قبلہ سے بہت ڈرا کرتے تھے- بڑا ادب کرتے تھے- کوئی بات کتنی ہی ضروری ہو، اسے پیش کرنے سے ہچکچاتے تھے- باوجود شدتِ مرض کے اور منہ سے خون آنے کے، والد صاحب قبلہ کے سامنے جبکہ تقریباً 40 سال کی عمر ہو چکی تھی پان نہ کھاتے حالانکہ وہ پان کے عادی تھے- بیماری کے دوران حضرت والد صاحب قبلہ خود ان کو اپنے ہاتھ سے پان کھلایا کرتے تھے- جو محبتِ پدری ان سے تھی اس کا مظاہرہ آخری وقت ہوا- لیکن میں سب کی فریادیں اور فرمائشیں حضرت قبلہ تک پہنچایا کرتا تھا اور اکثر باتیں اگر لائقِ قبول ہوتیں تو مان لی جاتی تھیں- اسباق مجھے خصوصی طور پر پڑھاتے- ہماری والدہ نے ہمارے بہت ہی بچپن میں وفات پائی- والد صاحب قبلہ نے باپ اور ماں دونوں کا کردار ادا کیا حالانکہ یہ بہت شاق کام ہے- سوتیلی والدہ سے ہم لوگوں کی کوئی غرض کبھی وابستہ نہیں رکھی- لباس' خوراک' عید' بقرہ عید' پھل' میوے' مٹھائی' شیرینی' دوا دارو، علاج معالجہ، ہر چیز کی خود ہی نگرانی فرماتے تھے- مجھے اپنے مصرف سے مصر تعلیم کے لئے بھیجا اور تقریباً سارے مصارف برداشت کئے- جب میں واپس آیا اور میں نے بمبئی سے اطلاع دی کہ فلاں گاڑی سے وطن آرہا ہوں تو آگرہ اسٹیشن پر آکر ملاقات کی اور سامان اتروایا اور ٹونڈلہ لاکر دوسری میں سوار کیا اور فرمایا کہ مجھے مدرسہ کا ضروری کام ہے اس لئے ساتھ نہیں جاؤں گا -ایک ہفتہ بعد گھر آؤں گا اور پھر گھر آکر عظیم ترین جلسہ

تہنیت ومیلاد شریف کا اہتمام فرمایا- جس میں مبارک پور کے اکثر اساتذہ اور طلبا بالخصوص حضرت حافظ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ شریک ہوئے- اگر میں کسی وجہ سے کھانا نہ کھاتا تو اس کی اطلاع فوراً والد صاحب کو دی جاتی اور وہ اپنے سامنے بلاکر پوری شفقت اور مہربانی سے مجھے کھانا کھلواتے۔ ایک باپ، ایک استاد اور ایک مربی کی حیثیت سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں میرے ساتھ سب سے زیادہ شفقت فرماتے تھے-

میرے رفقاء درس کے دو دور ہیں- پہلے دور میں اجمیر شریف اور بریلی شریف اور دوسرے دور میں مصر سے واپسی کے بعد دادوں ضلع علی گڑھ کے رفقا ہیں۔اوّل میں خاص ساتھی مولانا ابو الوفا شاہ مظفر پوری' مولانا غلام یٰسین صاحب مظفر پوری' مولانا سید محمد علی اجمیری، جناب سید حسین علی صاحب اجمیری کے صاحبزادے تھے اور اکثر اسباق میں شریک تھے جو اجمیر شریف میں پڑھے گئے- سید اقبال صاحب اجمیری ،مولانا خیرات الحسن صاحب اجمیری' مولانا یونس صاحب اجمیری' مولانا خیرات الحسن صاحب اجمیری' مولانا یونس صاحب اجمیری' یہ لوگ خدامِ خواجہ میں سے وہ لوگ ہیں، جنہوں نے حضرت والد صاحب کی برکت سے اکثر علومِ درس نظامی حاصل کئے ۔ورنہ اکثر خدام حضرات ایک دو کتابیں یا درجے پڑھنے کے بعد علم سے دور چلے جاتے تھے-

حضرت کے شب وروز، میں نے ابتدا میں ذکر کئے ۔یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ حضرت کی آنکھوں میں بینائی پوری تھی، کمی کی کوئی شکایت نہ تھی- اس کے بعد آخر عمر میں بینائی کافی کمزور ہوگئی تھی ۔ پڑھنا لکھنا دشوار تھا، مگر اتنی تھی کہ بہ آسانی بغیر کسی کی مدد کے، چل پھر لیتے تھے- اس زمانے میں حضرت قبلہ نے سورہ یٰسین شریف' سورہ ملک' سورہ مزمل اور بہت سی سورتیں جو مجھے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں زبانی یاد کر لی تھیں اور تقریباً روزانہ صبح اور رات کو ان کی تلاوت فرمایا کرتے تھے- جہاں تک میں جانتا ہوں رمضان المبارک میں تو ضرور تہجد پڑھتے- بعد رمضان مجھے صحیح یاد نہیں کہ با قاعدہ تہجد پڑھتے یا نہیں۔لیکن فرائض اور سنت پر ہمیشہ مواظبت فرماتے اور جس زمانہ میں کریم الدین پور رہا کرتے تھے تو روزانہ بعد عصر ہمیشہ اپنے بڑے بھائی حکیم احمد علی صاحب کے یہاں جاتے اور وہ روزانہ بعد مغرب ہمارے یہاں آتے- حکیم صاحب کا گھر موضع دیہہ کلاں (بڑا گاؤں) میں تھا اور وہیں

قادری منزل بھی تھی۔ اور بڑے بھائی حکیم شمس الہدیٰ کی دکان کے سامنے کبھی کبھی ٹھہر جاتے یا کرسی پر بیٹھ جاتے۔

میری شادی اور نکاح کا معاملہ اچانک ماموں صاحب کی لڑکی سے طے ہو گیا۔ والد صاحب کا خیال تھا کہ صرف نکاح کیا جائے اور شادی وغیرہ بعد میں اطمینان سے ہو۔ لیکن ماموں منشی حبیب اللہ صاحب نے کہا کہ ہمارے یہاں رسڑا ضلع بلیا میں یہ طریقہ نہیں۔ ہم لوگ نکاح رخصتی وغیرہ سب ایک ہی وقت کرتے ہیں۔ والد صاحب قبلہ نے یہ سن کر فوراً نکاح اور شادی کے لوازمات کی تیاری کا کام بڑے بھائی حکیم شمس الہدیٰ مرحوم مغفور کے ذمہ لگا دیا۔ برادرِ معظم نے سارا کام بحسن وخوبی انجام دیا۔ حضرت والد صاحب قبلہ نے فرمایا کہ عبدالمصطفیٰ کی شادی کے موقع پر تولا پکے گا۔ یہ طریق کار اب تو بالکل ختم ہو گیا ہے۔ میری شادی میں تمام اعزہ و اقربا تو گھر بھر کے اور بستی میں ہر گھر سے ایک فرد اور اردگرد کے محلوں سے بہت سے افراد مدعو تھے۔ ۱۲ بجے کے قریب سے کھلانا شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ تقریباً ۳ سے ۴ بجے ختم ہوا۔ اس کے بعد پھر کسی دعوت میں اس طریقہ کا کھانا کھانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور بھائیوں کی شادی پر بھی بہت اہتمام کیا گیا۔ برادرم عطاء المصطفیٰ مرحوم اور اس کے بعد برادرم رضاء المصطفیٰ کی شادی پر بھی خاص اہتمام تھا۔ لیکن اب کھانے کا حساب کتاب باورچیوں اور نانبائیوں کے سپرد تھا۔ وہ پرانا طریقہ کہ محلّہ کے بزرگ اور نوجوان تمام کام خود کرتے، پکاتے، کھلاتے، پلاتے۔ اب وہ باتیں کہاں رہ گئی ہیں۔

والد صاحب قبلہ نے ہم چار بھائیوں کے حساب سے قادری منزل کی تعمیر کی تھی اور اس کا سلسلہ ایسا رکھا تھا کہ بوقت ضرورت چاروں اپنے آپ کو الگ کر سکیں۔ دیواروں میں جگہ رکھی گئی تھی جو پلاستر میں دبا دی گئی لیکن ہم سب لوگوں کو معلوم تھی۔ اس کے بعد قضائے الٰہی سے دونوں بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی والد صاحب کی موجودگی ہی میں فوت ہو گئے۔ برادرم مولانا یحییٰ مرحوم کا انتقال ہوا تو میں اس وقت بریلی میں تھا۔ والد صاحب نے لکھا کہ میں فلاں روز آگرہ ہوتا ہوا گیارہویں شریف کے موقع پر پالی جاؤں گا۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں اس لئے تم مجھے راستے میں مل لو اور میرے ساتھ ساتھ پالی چلو۔ چنانچہ میں بریلی سے اچھنیرہ اسٹیشن پہنچ گیا۔ وہاں پر دنوں گاڑیوں کا میل ہوتا تھا۔ چنانچہ

تھوڑی تلاش کے بعد والد صاحب قبلہ سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں آبدیدہ ہو گئے۔ بعد میں تذکرہ فرمانے لگے کہ میں آگرہ میں آیا تو ایک قلی نے کہا کہ بڑے میاں میں آپ کا سامان اٹھاؤں تو میرے دل پر چوٹ پڑی' اس سے قبل کسی نے بھی کبھی مجھے بڑے میاں نہیں کہا تھا۔ میں نے کہا کہ ہاں بھائی اب میں بڑے میاں کہلانے کا مستحق ہوگیا ہوں اس لئے کہ میرے بچے کے انتقال نے مجھے بوڑھا کردیا ہے۔ اس کے بعد جب بڑے بھائی حکیم شمس الہدیٰ کا انتقال ہوا تو آپ کی کمر بالکل جھک گئی تھی۔ صدمے کا اظہار تو نہ کیا لیکن کمزوری اور کمر کے خم نے حالت کا پتہ سب کو بتادیا۔ پھر آخر میں برادرم مولانا عطاء المصطفیٰ مرحوم کے انتقال کے تیسرے ہی دن انتہائی صدمے سے آنکھ کی بینائی میں کمی آگئی۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ اولاد آنکھ کا نور ہوتی ہے،ان کے انتقال سے اس کا ظہور ہوگیا اور باوجود آپریشن اور علاج معالجہ کے ،پھر بینائی حسب سابق واپس نہ آسکی۔ غرض جب تینوں بھائیوں کا انتقال ہوگیا تو اب سفرِ حج سے قبل والد صاحب علیہ الرحمہ نے مجھ سے پوچھا کہ بتاؤ مکان کس طرح تقسیم کئے جائیں؟ چونکہ برادرم مولانا ضیاء المصطفیٰ سلمہ یہ چار بھائی ایک ہی والدہ صاحبہ سے تھے ،جو ابھی تک زندہ ہیں۔ میں نے کہا کہ قادری منزل ان بھائیوں کو دیدیں اور قاری رضاء المصطفیٰ اور مجھے پرانا مکان دیدیں اور بھتیجوں مولانا قمر الہدیٰ سلمہ اور قاری ساجد علی سلمہ کو بھی کچھ نہ کچھ دیدیں تا کہ یہ سر چھپا سکیں چنانچہ والد صاحب قبلہ نے تقریباً اسی کے مطابق کچھ ترمیم وتنسیخ کے ساتھ اپنا وصیت نامہ مرتب فرمایا تھا۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ علم کے دریا اور فقہ کے سمندر تھے۔ حدیث پاک مصطفیٰ ﷺ پر آپ کو پورا عبور تھا۔ بدمذہبوں کے تمام اشکال اور اعتراض کے مسکت ومدلل ومختصر جواب دینا آپ کی شان تھی۔ کبھی بھی طلباء کے اعتراض پر برہم نہ ہوتے۔ ہر اعتراض کا جواب دیتے اور طلبا کو اطمینان ہو جاتا۔ آج بھی ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو دل لرز جاتا ہے۔

سنّی کانفرنس منعقدہ کراچی میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری کا خطاب

8-9 اگست 1970ء کراچی میں منعقدہ سنّی کانفرنس میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے بحیثیت صدر جماعتِ اہلسنت پاکستان خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے خطاب کا آغاز یوں فریامایا۔

''آج کی یہ سنّی کانفرنس اس ملک کے عظیم عوامِ اہلسنت کی یادگار تاریخی کانفرنس ہے۔ آج کا یہ عظیم جمِ غفیر سنّیت کی تاریخ میں ایک عظیم باب کا اضافہ کا موجب ہوا ہے۔ اہلسنت عوام، کوئی با قاعدہ تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے پراگندہ اور منتشر تھے۔ مگر 1966ء میں جماعتِ اہلسنت کے قیام نے ان کے دل میں مسرّت کی لہر دوڑادی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تنظیم عوام اہلسنت کی آواز بن گئی۔ اور آج اس عظیم اجتماع میں بے شمار عوام اور ہزاروں علماء و مشائخ نے جمع ہوکر اس پر مہرِ تصدیق ثبت فرمادی کہ

ذرا نم ہوتو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

آپ نے مزید فرمایا کہ ہمارے اتحاد و تنظیم کو دیکھ کر بعض جماعتیں بوکھلا گئیں اور ہم پر فرقہ واریت کا الزام عائد کرنے لگیں۔ حالانکہ قیامِ پاکستان کے سلسلے میں بنارس کی آل انڈیا سنّی کانفرنس (1946) میں جب ملک کے علماء و مشائخِ اہلسنت نے جمع ہوکر پاکستان کا نعرہ لگایا تھا تو کسی نے بھی ایسی بات نہیں کہی۔ لہٰذا جس طرح قیامِ پاکستان کے لئے علماء اہلسنت نے کانفرنس کرکے پاکستان کے قیام میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا، اسی طرح آج بھی جبکہ بقائے پاکستان کا معاملہ آگیا ہے، ہم نے نظریۂ پاکستان یعنی اسلام کی حفاظت کیلئے کانفرنس کی۔ اسی ملک میں گذشتہ دس بیس سال سے بعض نے پولیٹیکل فرنٹ اور بعض نے جمعیت اہلِ حدیث کے نام سے مختلف تنظیمیں قائم کیں اور ان کے تحت کانفرنسیں، اجلاس، جلسے وغیرہ کئے تو اس وقت اپنے لئے فرقہ واریت کا شہتیر نظر نہیں آیا۔ آپ نے

آگے چل کر فرمایا کہ ہم اس ملک کی عظیم اکثریت اہلسنت کو منظم کر رہے ہیں اور ہم کو اس کا پورا حق ہر طرح حاصل ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جانی اور مالی قربانیاں دی تھیں۔ وہ صرف روٹی، کپڑا اور مکان کیلئے نہ تھیں بلکہ اس ملک پاکستان کو اسلام کا محافظ اور حصار سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ ہم اسلام کی عظیم الشان روایتوں کو اجاگر کریں گے۔ مگر افسوس کہ سیاسی بازی گر، پاکستان کے معماروں کو جھونپڑیوں اور جھگیوں میں دھکیل کر خود مسند اقتدار سے چپٹ گئے اور عالی شان محلات میں دادِ عیش دیتے رہے۔ اسلام کو پس پشت ڈالا اور اپنی تجوریوں کو بھرتے رہے۔ غریبوں کا خون چوستے رہے، شرابیں اڑاتے رہے۔ عوام کو اسلام کا نام لے کر دھوکہ دیتے رہے اور نہ صرف خود بلکہ اس ملک ہی کو لادینی نظریات کا اڈہ بنانے کی فکر کرتے رہے۔ ملک کو معاشی اعتبار سے دیوالیہ بنا کر، اپنا بنک بیلنس بڑھاتے رہے۔ لیکن اب ان سیاسی شعبدہ بازوں کو ہوشیار ہو جانا چاہیئے کہ محبانِ اسلام عوام، اِن داغدار کردار کے حامل لیڈروں سے جواب طلب کریں گے۔ اور ان کو پچھلی تمام کارگذاریوں کی روئداد عوام کی عدالت میں پیش کرنا ہوگی۔

آج کے سیاستداں بوسیدہ عمارات اور کھنڈر ہیں۔ ان پر اس ملک کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ جس فتنۂ سوشلزم نے ان کے مظالم کی وجہ سے سر اٹھایا ہے۔ اب نہ وہ فتنہ جگانے والے رہیں گے اور نہ وہ فتنہ، اس اسلامی مملکت میں باقی رکھا جائے گا۔ بلکہ جہاں سا آیا ہے وہیں "بیک بنی دو گوش" برآمد کردیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ ہم سب میدان میں نکل آئے ہیں تاکہ اس ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کیلئے مل کر جدوجہد کریں اور اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں جب تک اسلامی نظام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو۔ یہ کانفرنس اس سلسلے کی کڑی ہے کہ ہم عوام کے سامنے اپنا منشور اور پروگرام رکھیں تاکہ اس ملک کی عظیم اکثریت اہلسنت اپنی پسند کے دیندار علماء و مشائخ کو کتاب و سنّت کے مطابق قانون و آئین مرتب کرنے کیلئے منتخب کرے۔ ہماری یہ عظیم اکثریت اگرچہ غریبوں اور ناداروں پر مشتمل ہے مگر اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے کہ وہ اس امتحان میں کامیاب فرمائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس عظیم الشان کانفرنس کے لئے کسی سرمایہ دار کے دروازے پر دستک نہیں دی ہے بلکہ ہمارے معاون بھی غریب عوام ہیں، جنہوں نے ایک ایک روپیہ چندہ دیکر اس کانفرنس کو کامیاب بنایا اور انشاء اللہ ہمارے سنّی عوام پاکستان اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

ہماری فلاح نہ سوشلزم میں ہے اور نہ سرمایہ دارانہ نظام میں بلکہ ہماری فلاح دُنیاوی و اُخروی صرف اور صرف اسلامی نظام میں ہے اور وہی نظام یہاں جاری ہوگا جو ملک کی عظیم اکثریت چاہے گی۔

خطاب ملتان سنّی کانفرنس

1978ء کی ملتان کانفرنس میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے 17اکتوبر کو چوتھے اجلاس سے خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے خطاب میں کہا کہ

''یہ اجتماعِ عظیم صرف مجھے نظر آ رہا ہے یا آپ کو بھی نظر آ رہا ہے غور سے دیکھنا سب کو نظر آ رہا ہے نا۔ لیکن ان کی آنکھ نہیں دیکھتی۔ جماعتِ اسلامی کے فلسفے نے ٹی وی کو بھی اندھا بنا دیا ہے۔ ٹی وی کی بھی آنکھیں پھوڑ دی ہیں۔ اگر ٹی وی میں یہ مجمع دکھایا جائے گا تو پوری دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ اس ملک میں سنّیوں کی اکثریت ہے۔ پورے ملک اور آزاد کشمیر سے آنے والوں کا یہ اجتماع کہہ رہا ہے کہ اس ملک کے اصلی وارث ہم ہیں تم نہیں ہو۔ شروع سے لے کر آج تک جتنے بھی مفسرین ہیں، جتنے بھی محدثین ہیں، جتنے بھی مفکرین ہیں، جتنے بھی فقہاء ہیں، جتنے اولیا ہیں، جتنے بزرگ ہیں، سب جماعتِ اہلسنت کے افراد ہیں۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب مسلم شریف میں فرمایا کہ ''جب نئے فتنے پیدا ہونے لگیں تو بزرگوں نے کہا کہ اپنے آدمیوں کے نام لو کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اہلسنت سے حدیثیں مروی ہیں۔ اہلِ حدیث سے حدیثیں مروی نہیں''۔

ہمیشہ اہلسنت ہی سوادِ اعظم رہے ہیں اور حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ تفسیریں ان کی ہیں۔ کتابیں ان کی ہیں۔ بعض لوگ چوری کر کے مصنف بنتے ہیں اور چوری کا مال

بازار میں لاکر اپنے آپ کو مصنف کہتے ہیں۔ واقعی وہ اسلامی نظام کے داعی ہوتے۔ اسلامی نظام کو چاہتے یا پہچانتے تو یہ دو مہینے کم از کم ان کیلئے اسلامی نظام کی ابتداء کے لئے کم تھے۔ تم جس دو الہٰی نامی شخص کو شریعت کی کمان سونپنا چاہتے ہو وہ، خود نہیں جانتا کہ شریعت کیا ہے۔

علماء اہلسنت خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور شریعت کے قوانین کس طرح نافذ ہوں گے۔ آج اگر موقع دو اہلسنت کو، تو کل سے بنیاد پڑ جائے گی اور شریعت کے نفاذ کی ابتداء کردی جائے گی لیکن انگلینڈ سے درآمد کیا ہوا، ماہر اقتصادیات، مدینے والے کے نظام کو نافذ نہیں کرسکتا۔ وہ سُودی نظام کو ختم نہیں کرسکتا۔ اس کو پتہ نہیں کہ بغیر سُود کے کس طرح نافذ ہوگا۔ کیونکہ سودی نظام یہودیوں کا نافذ کردہ ہے اور اس بارے میں ان ہی کی کتابیں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔

اب اپنا کام شروع کردو۔ ہر موضوع پر مستند تحریریں، مستند تقریریں اور مستند کتابیں میدان میں آجانی چاہئیں۔ ہر محلے، قصبے اور ہر علاقے میں دارُالکتب اور دار المطالعے قائم ہونے چاہئیں۔ ہر سنّی کو بیدار ہونا چاہیئے۔ پہلے لوگ کہتے تھے کہ سنی سن ہوتا ہے لیکن اب میں کہتا ہوں کہ سنّی سنتا ہے اور بیدار رہتا ہے اب سنّی سن رہا ہے اور سننے کے بعد اس پر عمل کرنے کیلئے بھی تیار ہے۔ آپ کبھی نہ شرمائیں۔ ہم کبھی نہیں شرماتے، اس لئے کہ ہم حق پر ہیں۔ اتنا بہتر انتظام ہے کہ خیموں والے خیموں کے اندر سُن رہے ہیں۔ راستے والے راستے پر سن رہے ہیں اور تقریروں کی آواز ہر جگہ پہنچ رہی ہے۔

ہم نے اس مدینۃ الاولیاء میں ان بزرگوں کا سایہ پایا ہے۔ میں کن کن بزرگوں کو یاد کروں۔ کن کن تقریروں کو یاد کروں۔ کن کن تحریروں کو یاد کروں۔ دنیا کی بے نظیر کتابیں آپ کے علماء نے لکھی ہیں۔ میرے والدِ محترم نے بہارِ شریعت لکھی۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں اس سے جامع کتاب فقہ میں موجود نہیں ہے۔

علامہ ازہری نے مزید کہا کہ ہم فخر کرتے ہیں تو عقائد پر فخر کرتے ہیں۔ ہم فخر کرتے ہیں تو اپنی قوتِ ارادی پر فخر کرتے ہیں، ہم فخر کرتے ہیں تو غلامیٔ مصطفیٰ ﷺ پر فخر کرتے ہیں، ہم فخر کرتے ہیں تو اپنے علم پر فخر کرتے ہیں۔ ہم فخر کرتے ہیں تو اپنے غزالیٔ دوراں پر فخر کرتے ہیں۔ ہم فخر کرتے ہیں تو قائدِ اہلسنت پر فخر کرتے ہیں۔ ہم اگر فخر کرتے ہیں تو اپنے علماء

ومشائخ پر فخر کرتے ہیں ۔ ہم اگر فخر کرتے ہیں تو آپ پر فخر کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارا سرمایہ ہیں۔آپ ہماری قوم ہیں،آپ ہماری قوت ہیں۔

میں ملتان کے جیالے فرزندوں، جماعت اہلسنت و جمعیت علماء پاکستان کے قائدین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، جنہوں نے اس کانفرنس کے بہتر انتظامات کئے اور اس تاریخی کانفرنس کا انعقاد کیا۔

﴿﴾﴿﴾﴿﴾

المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی

انسان کی خدمت، انسانیت کی خدمت کا شمار افضل عبادتوں میں سے ایک ہے، نفلی عبادت میں انسانوں کی خدمت کو اعلیٰ ترین عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی انسانی خدمت کے جذبے کے تحت کام کر رہی ہے۔ اس کے پلیٹ فارم سے لاکھوں مریضوں کا علاج معالجہ ہوا ہے۔ بے آسرا گھروں کی کفالت کی جارہی ہے، کشمیر کے یتیم بچوں کیلئے رہائشی و تعلیمی انتظام ہو رہا ہے۔آپ سے درخواست ہے کہ المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی کے ساتھ تعاون کریں اور دکھی انسانیت کی خدمت کریں۔

ہمارا ایمان ہے کہ یہ سب اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کرم، نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات، صاحبان سخاوت وثروت کے تعاون اور مخلص کارکنان کی ٹیم ورک کے تحت ممکن ہوا۔آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔

رحمتہ اللہ علیہ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے پارلیمنٹ سے خطابات

3 جولائی 1973ء کی تقریر سے اقتباس

قرآنِ پاک کی اغلاط سے پاک اشاعت

محترم اسپیکر صاحب! قرآن مجید کی تعظیم وتکریم کے سلسلے میں اور اس کی طباعت کے لئے جو اقدام موجودہ حکومت کر رہی ہے کسی فرد کو بھی اس ۔سے اختلاف نہیں ہوسکتا اور ہر اچھے کام اور ہر اچھی بات میں ہم ضرور ان لوگوں کی تعریف کریں گے۔ اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رکھیں کہ قرآن مجید کی اصل حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔

(ترجمہ) ہم نے اس قرآن پاک کو جو نصیحت کی کتاب ہے' نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

پھر اللہ کے حبیب سرورِ دو عالم حضرت محمد ﷺ پر یہ قرآن کریم 23 سال کے عرصہ میں نازل ہوتا رہا اور اس کے لئے نبی کریم ﷺ نے انتیس صحابہ کرام کو اس قرآن کریم کو لکھنے کے لئے مقرر فرمایا تھا (ان حضرات کو کاتبِ وحی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے) اور جب بھی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو رسول اکرم ﷺ اِن حضرات کو بلوا کر لکھواتے۔

قرآن مجید کی تلاوت جبرائیل امین نے اس آخری سال کی، جس سال حضرت محمد ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔۔ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے تلاوت کی اور جبرائیل علیہ السلام نے سنا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے تلاوت کی اور حضور ﷺ نے سنا' ایسا دو بار ہوا۔ آخری تلاوت کے وقت بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ قرآن کریم کو کتاب کی شکل میں تحریر کریں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قرآن

کریم کو کتاب کی شکل میں تحریر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی نقلیں مختلف جگہوں پر رکھیں۔ ایک اپنے پاس اور دوسری مسجد نبوی اور کوفہ، دمشق اور مصر سب جگہوں پر اس کی نقلیں بھجوائی گئیں اور اس کو مصحف امام کہتے ہیں۔ اس مصحف امام کے مطابق اس میں جس طریقے سے بھی قرآن مجید لکھا گیا ہے، وہی ترتیب کتابت اور وہی طریقہ کتابت آج تک مسلمانوں میں رائج ہے۔ اس میں اصل کے اعتبار سے کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی گئی۔ اس لئے عربی میں یہ مقولہ مشہور ہے۔ قرآن مجید کا جو رسم الخط ہے اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی دوسرے رسم الخط میں اگر کوئی دوسرے طریقے سے لکھا ہوا ہے تو اس کے اعتبار سے قرآن مجید کی تصحیح نہیں کی جائے گی۔ قرآن مجید میں جو لفظ جس طریقے سے جس جگہ لکھا ہے وہ اسی طرح سے لکھا جائے گا اور اس کے بعد پھر "زیر، زبر، پیش" وغیرہ اور نقاط اوپر نیچے جہاں جہاں بھی لگانے تھے یہ سب چیزیں بعد میں ایجاد ہوئیں اور اب اس کے بعد قرآن مجید زیر، زبر کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس سلسلے میں کچھ اختلافی علامتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں پاکستان اور ہندوستان میں جو علامتیں ہیں وہ ان سے الگ ہیں جو علامتیں مصر اور عرب میں رائج ہیں۔

جنابِ والا! پاکستان میں ایک جماعت حکومت کی طرف سے اس قسم کی منتخب کی جائے جو اس رسم الخط کے مطابق جو ہمارے یہاں پاکستان اور ہندوستان میں رائج ہے، قرآن مجید کا صحیح نسخہ تیار کرے اور پھر اس نسخے کے مطابق پورے ملک میں طباعت ونشرو اشاعت کا کام جاری کیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ جہاں تک رسم الخط کا تعلق ہے اس میں تو ہمارے ہاں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہے لیکن حرکات وسکنات کے سلسلے میں جو تغیر و تبدل ہے اس کا مستند نسخہ اس طریقے سے تیار کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ حکومت متعدد سائز اور متعدد قسم کے نسخے تیار کرے اور لوگوں کو اور عوام کو مہیا کرے اور ناشرین بعد میں اس پر بیل بوٹے ڈالیں وہ اپنی تزئین کرکے اس کو شائع کریں تو اس میں قرآن مجید کی زیادہ احتیاط ہوگی۔ قرآن مجید، تیرہ سو سینتیس ہجری میں حنفی ناصف اور دوسرے علماء کرام نے اس کی تصحیح کرکے باقاعدہ مصر میں چھپوایا تھا۔ اس کے بعد پھر کچھ تصحیح ہوتی رہی لیکن انہوں نے فرمایا ہے کہ صرف وقت کے سلسلے میں ہم نے پرانے قرآن مجید

اور اس میں آٹھ سو جگہ فرق کیا ہے اور بھی کچھ غلطیاں ہیں۔ اس سلسلہ میں دیکھنا پڑے گا کہ قوانین کے وضع کرنے کے بعد غلطیاں کس قسم کی ہیں اور ان کے بارے میں تعزیرات کس قسم کی ہیں۔ اتنے بڑے بڑے قراء اور اتنا مستند نسخہ جو تیرہ سو سینتیس ہجری میں ٹھیک تھا اس میں جتنی غلطیاں تھیں جس میں آٹھ سو غلطیاں صرف وقوف اور علامات کے سلسلہ میں تھیں تو اس قسم کی غلطیاں اصل میں یہ قرآن مجید کی غلطیاں نہیں ہیں اس کے اندر زیادہ تر اعراب اور زیر و زبر رسم الخط سب دینے چاہئیں اور ان تمام چیزوں کے سلسلے میں حکومت کو بڑا زبردست کام کرنا پڑے گا اور اس کے لئے ملک کے ایسے بڑے علماء، حفاظ اور قراء کو مقرر کیا جائے گا جنہوں نے عمر کا طویل حصہ قرآن مجید کی خدمت اور نشر و اشاعت میں گزارا ہے۔

☆☆☆

29 جون 1973ء کی تقریر سے اقتباس

سود اور اسلامی نظامِ معیشت

جناب اسپیکر صاحب!

قرآن کریم کی روشنی میں میں یہ بیان کر رہا تھا کہ سود اور رباء کا ترجمہ اردو میں سود ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے حرام اور ممنوع فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے کے کفار اور مشرک وہی بات کہتے تھے جو آج کل کے سود خور کہتے ہیں کہ سود اچھی قسم کی تجارت ہے۔ قرآن کریم نے ان کے اس قول کو نقل کیا ہے۔

ترجمہ۔ ''بیع اور شریٰ ایسا ہے کہ جیسے سود''۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (ترجمہ) اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیع کو جائز رکھا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔ (ترجمہ) سود در سود کی شکل میں بھی اس کو استعمال نہ کرو۔ تیسری جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ سود کا کاروبار کرتے ہیں ان کی شکل، ان کی گفتگو، اس کاروبار میں ملوث ہونے کی وجہ سے دیوانے اور مخبوط الحواس جیسی ہو جاتی ہے۔ یعنی سود خور کو اس بات کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی کہ غریب مسکین، ایک ضرورت مند، ایک کم پیسہ والا آدمی، کس قدر ضرورت مند ہے اور اس کی کیا کیا

ضرورتیں ہیں۔ وہ فاقے سے ہے یا اسے بھوک لگی ہے' وہ بیمار ہے اور اس کی تکلیف کیا ہے۔ ان چیزوں کے متعلق سود خور کبھی نہیں سوچتا بلکہ وہ اپنے سود کے چکر میں رہتا ہے کہ ہم کو صرف اتنا روپیہ لینا ہے اور اتنا دینا ہے۔

جناب والا! یہاں پر کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ جب کبھی اس قسم کی تجاویز آئیں جیسا کہ زراعت پیشہ لوگوں کو بنک سے قرض دینے کا معاملہ تو میں نے اس موقع پر کہا تھا کہ مزارعین کو زراعت پیشہ لوگوں کو ان کی اعانت کے لئے آپ بینک سے قرضہ دیں لیکن آپ اس کے اوپر سود نہ لیں تاکہ وہ ان پیسوں سے پھلیں پھولیں اور ترقی کریں لیکن بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بینک سود نہیں لیں گے تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو سود کا کاروبار اسلام کے آنے سے پہلے کیا کرتے تھے روکا تھا کہ تم سود کا کاروبار نہ کرو مگر وہ اپنے پرانے سود کی فکر میں پڑے رہتے تھے ان سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔ (ترجمہ) ''تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا جاتا ہے''۔ جب صحابہ کرام نے جو سود کا کاروبار کرتے تھے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا کہ (ترجمہ) ''اللہ اور رسول ﷺ سے ہم نہیں لڑ سکتے'' اور انہوں نے تمام سود معاف کر دیا اور یہ انہوں نے کہا ''جو کچھ تم نے دیا ہے بس وہی لے لو''۔ (ترجمہ) نہ تم کسی کے اوپر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ تو سودی کاروبار ظلم کے برابر ہے اور ظلم کا مٹانا مسلمان کا فرض ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے آخری حج کے بعد حجۃ الوداع میں جو ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کے درمیان میں ارشاد فرمایا تھا وہ یہ تھا۔ (ترجمہ) ''جو بھی جاہلیت کے زمانے کا سودی کاروبار تھا اس کو ہم نے اپنے پیر کے نیچے روند دیا ہے اور ختم کر دیا ہے۔ سب سے پہلے میں خود اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں۔ عباس بن عبدالمطلب جو سودی کاروبار کرتے تھے وہ تمام سود میں ختم کرتا ہوں''۔ یہ نبی کریم ﷺ کا آخری پیغام تھا۔ اس وقت حضور ﷺ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔ (ترجمہ) اے اللہ تو گواہ رہنا۔ آج میں بھی اسی ایوان میں نبی کریم ﷺ کی اس بات کو دوہرا رہا ہوں کہ سودی کاروبار حرام ہے اور میں اس پورے ایوان کو اس بات پر شاہد کرنا چاہتا ہوں۔

آپ ہمارے مسلمان بھائی جو اس ایوان کے ممبر ہیں اگر اس سودی کاروبار کے سلسلے میں اس ممانعت میں میرا ساتھ نہیں دیتے ہیں کسی وجہ سے بھی تو ان کو بتلاتا ہوں کہ (ترجمہ) تمہاری طرف سے اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کا اعلان ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی مسلمان بھی خدا اور رسول ﷺ سے لڑ کر نہیں رہ سکتا اور اگر لڑے گا تو اسے یقیناً شکست کا سامنا ہوگا اور اس کو آپ پچیس سال میں دیکھ چکے ہیں کہ آپ نے اس ملک کے اندر اسلام کو رائج نہیں کیا اور آپس میں اسلامی بھائی چارہ پیدا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے ملک کا ایک حصہ نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہی جیسے لوگوں کے لئے ارشاد فرمایا۔ (ترجمہ) اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس بستی کی مثال پیش کی تھی جو بڑے امن سے رہتی تھی بڑے آرام سے تھی اس کو کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں تھی مگر جب اس نے خداوند عالم کی نعمتوں سے انکار کیا اور اس کے احکام کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا لباس پہنا دیا۔ تو آج ہمارا حال بھی یہی ہے کہ کوئی بھوکا ہے اور ہر ایک شخص ہم میں سے ڈرا ہوا ہے۔ بھوک کے مارے بے شمار سرکاری اور غیر سرکاری ملازمین ہڑتال کر رہے ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ آپ جو موجودہ تنخواہ دے رہے ہیں ان تنخواہوں سے ثابت کر دیجئے کہ اس سے دال روٹی بھی کھائی جا سکتی ہے کہ نہیں۔ کپڑے کے متعلق آپ کہہ رہے ہیں لیکن کپڑے کی حالت یہ ہے کہ کپڑے کے دام چڑھتے جا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں لوگ نیم عریانی میں مبتلا ہیں آپ اپنی مثال خود دیکھ لیں۔ اللہ نے پاکستان کو ان نافرمانیوں کی سزا دینے کے سلسلے میں بھوک میں مبتلا کر دیا ہے۔ دوسری بات اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (ترجمہ) جو اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے ان کو بتلایا جاتا ہے اور ڈرایا جاتا ہے کہ دردناک عذاب آئے گا جو تم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ تو میں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تبلیغ کی، جو میرے ذمہ فرض تھی۔ یہ تخیل کہ اگر ہم سود کے کاروبار کو بند کر دیں گے تو اس سے نقصان ہو جائے گا تو یہ غلط ہے۔ جس اللہ نے انسان کو پیدا کیا وہی جانتا ہے کہ کون سا قانون اس کی مخلوق کے لئے مفید ہے اور کون سا قانون اس کی مخلوق کے لئے غیر مفید ہے۔

☆☆☆

31 اگست 1972ء کی تقریر سے اقتباس

جمعہ کی تعطیل ۔ اسلامی معاشرے میں اہمیت

جناب والا میں دو تین باتیں واضح کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جمعہ کی بات کروں اور جو زیادہ اہم ہیں ان ہی کا ذکر کروں گا۔ کیونکہ اس سلسلے میں کافی حوالے دیئے گئے ہیں۔ ہمیں بخاری شریف اور مسلم شریف کی احادیث سنائی گئی ہیں۔ احادیث تو اس سلسلے میں بے شمار ہیں۔ اس وقت جو حوالے دے رہا ہوں وہ ابو داؤد کی حدیث پر بخاری مسلم ترمذی کی احادیث کا اضافہ ضرور کروں گا۔ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے سلسلے میں فرمایا ہے ۔اور اس کے علاوہ یہ کہ جمعہ کو نماز ادا کرنے کے لئے لوگ دور دور دیہات سے آیا کرتے تھے۔ لوگ جمع ہوا کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنا کرتے تھے تاکہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جاکر ان ارشادات کو پھیلا سکیں اور لوگوں کو بتا سکیں، لوگ بہت دور دور سے آیا کرتے تھے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ کس قدر شوق تھا انہیں اطاعت کا ایک شخص پیدل چل کر آیا اس کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ کے دین کا ساتھی ہے جب یہ شخص قبر میں جائے گا اس پر جہنم کی آگ اثر نہیں کرے گی''۔

وہ لوگ دس دس میل سے پیدل چل کر آیا کرتے تھے۔ جو آدمی دس میل دور سے آئے گا تو وہ ان شرائط اور قواعد کی (یعنی غسل کرنا، خوشبو لگانا) پابندی کرتے ہوئے آئے گا تو تقریباً جمعہ کی پوری چھٹی ان کا معمول تھا اور جو چیز معمول ہوتی ہے، عادت ہوتی ہے اور خاص چیز کسی قوم کی روایت ہوتی ہے اس کے لئے باقاعدہ چھٹی کے اعلان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے عید کی چھٹی ہے اس کے لئے کسی نے قرآن شریف نہیں پڑھا اور بقرہ عید کے لئے محرم کے لئے اور ایک مشکل یہ بھی ہے کہ لوگ دور سے جمعہ پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے اور عملاً چھٹی منایا کرتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس دن کو ہم نے اتوار کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ ایک محترم دوست نے بات ٹھیک کہی کہ اتوار عیسائیوں کا مقدس دن نہیں بلکہ آتش پرستوں اور کافروں کا مقدس دن تھا۔ وہاں سے عیسائیوں میں آیا اور عیسائیوں کے بعد پاکستان میں گھس گیا۔ تو یہ کہنا کہ یہ عیسائیوں کا دن نہیں تھا اور بت پرستوں کا دن تھا لہٰذا ہم پاکستان میں اس دن کو لانے میں زیادہ گنہگار ہیں۔ اس سے زیادہ

بدتر گناہ نہیں ہوسکتا۔ یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ یہاں اسمبلی میں وہ پہلی دفعہ آ گیا ہے۔ جمعہ کا دن مقدس دن ہے اور قرآن کریم کا جو حکم ہے وہ ہمارے لئے فرض ہے اگر وہ چھٹی نہیں مناتے اور نماز جمعہ پر اس کا اثر پڑتا ہے تو گناہ گار ہیں حتیٰ کہ یہاں تک فرمایا کہ اگر وہ اس وقت تجارت کرتے یا کوئی شخص تجارت کرتا ہے تو وہ تجارت اس کے لئے حرام ہے۔ تو ایک ہے واجب ہونا چھٹی کا۔ نماز کے وقت چھٹی واجب اور فرض ہے اور ہمیں قانون جو منوایا جارہا ہے ہمارے لئے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں جمعہ کے تقدس اور اہمیت کو ملحوظ رکھنا ہے۔

۞۞۞

۞۞۞

المصطفیٰ میڈیکل سینٹر، گلشن اقبال

☆ 50 بستروں پر مشتمل ہسپتال جس میں مردوں اور خواتین کیلئے جنرل وارڈز دستیاب ہیں۔

☆ دو آپریشن تھیٹرز

☆ فری ڈائی لیسز کی سہولیات

☆ 24 گھنٹے خون کی فراہمی کیلئے بلڈ بینک، سندھ بلڈ ٹرانزفیوزن اتھارٹی سے منظور شدہ

☆ تینوں شفٹوں میں فیزیوتھراپی کی سہولت

☆ فری ویکسین سینٹر

☆ T.B سینٹر

☆ پیتھالوجیکل لیب، ایکسرے اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات

☆ دل، سینے، جلد، شکر، دانتوں، آنکھ، ناک، کان، گلا، جوڑوں کے درد، دماغی، نفسیاتی، پلاسٹک سرجری کے ماہرین کی دستیابی اور ماہرانہ مشاورت کی کلینکس

☆ صحت عامہ کا تصور اجاگر کرنے کے لئے سیمینار، مذاکرے، طبی کانفرنسیں، طبی واک اور کتب و رسائل کی اشاعت

☆ آنکھوں کے آپریشن خصوصاً موتیا کے آپریشن کیلئے کیمپوں کا انعقاد

ایڈریس

ST-1، بلاک 13-C، بالمقابل بیت المکرّم مسجد، یونیورسٹی روڈ کراچی

فون 4820102-6

رحمتہ اللہ علیہ
علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری
کی سیاسی و ملی خدمات

معین الدین نوری

شیخ الحدیث کی مسند ہو یا اسمبلی کا ایوان، علمی مباحث ہوں یا شگفتہ محافل، تنظیم سازی ہو یا انسان گری، علامہ عبدالمصطفی ازہری رحمتہ اللہ علیہ نے ہر جگہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ عشقِ رسول پر مبنی دینی تفکر اور سیاسی تدبر کے یہ اوصاف درحقیقت آپ کو ورثے میں ملے تھے۔ علامہ ازہری کی شخصیت اِن ہی اوصافِ حمیدہ کو بیک وقت اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔

قائدِ اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی 1978 کی ملتان سنی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے متعلق فرماتے ہیں کہ " حضرت شیخ الحدیث، جانشینِ صدرالشریعہ، سیاسی ہیں۔ شکل وصورت دیکھ لیں، لمبا کرتا دیکھ لیں، پٹکا دیکھ لیں، اگر دل دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ بھی دیکھ لیجئے، ان کے جسم کے ہر حصے سے عشقِ مصطفیٰ نکلے گا، جس کے ہر حصے میں محبتِ مصطفیٰ موجزن ہوگی۔ عمامہ دیکھ لیجئے، داڑھی دیکھ لیجئے، چہرہ دیکھ لیجئے، خون ٹیسٹ کر لیجئے، اِن کے ہر قطرہ میں رسول اللہ ﷺ کی محبت دوڑ رہی ہوگی۔ اگر یہ سیاست ہے تو ہم اس الزام کو قبول کرتے ہیں" (روئداد سنی کانفرنس مطبوعہ تاجدارِ حرم پبلشنگ کمپنی)

27-30 اپریل 1946ء کو علماء اہلسنت نے بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد کی تو علامہ عبدالمصطفی ازہری نے اس کانفرنس میں مفتی غلام یاسین و دیگر رفقاء کے

ہمراہ شرکت فرمائی۔ کانفرنس میں علامہ ازہری نے اکثر علماء کرام سے فرداً فرداً ملاقات فرمائی۔کانفرنس میں اسلامی حکومت کیلئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے ایک 13 رکنی کمیٹی بنائی گئی تو علامہ عبد المصطفی ازہری کے والدِ محترم صدرالشریعہ مولانا امجد علی بھی اس کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کے بعد علامہ ازہری نے تحریک پاکستان میں تندہی سے حصہ لیا۔اس تحریک میں آپ کی ترغیب سے آپ کے شاگردوں نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا۔ 1946ء کے انتخابات میں آپ نے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے پورے ضلع اعظم گڑھ میں تقاریر فرمائیں۔ان انتخابات میں ضلع اعظم گڑھ سے مسلم لیگی امیدوار کامیاب ہوا۔

علامہ عبد المصطفیٰ ازہری قیام پاکستان کے بعد 1948ء میں بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ محمدی ضلع جھنگ پنجاب تشریف لائے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ اس عرصے میں آپ کی سیاسی زندگی پر درس و تدریس کی مصروفیات غالب رہیں۔جامعہ محمدی کے مہتمم علامہ محمد ذاکر صاحب تھے، جو 1970 کی قومی اسمبلی میں آپ کے ہمراہ رکن اسمبلی رہے ۔1985 میں اُن کے فرزند مولانا رحمت اللہ، ازہری صاحب کے ساتھ رکنِ قومی اسمبلی رہے۔

1957 سے آپ نے پھر سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور مولانا عبدالحامد بدایونی کی جمعیت علماء پاکستان میں اپنی خدمات سرانجام دیں۔آپ جمعیت علماء پاکستان کی مجلس عاملہ کے ممبر بھی رہے۔ 7 اکتوبر 1958ء کو ملک میں مکمل مارشل لاء نافذ کرکے سیاسی جماعتوں (بشمول جمعیت علماء پاکستان) پر قدغن لگا دی گئی تو مولانا عبد الحامد بدایونی اور رفقاء نے ''انجمن تبلیغ الاسلام'' کی بنیاد ڈالی گئی ۔مولانا بدایونی رحمتہ اللہ علیہ اس کے صدر اور علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ نائب صدر ہوئے۔ سیاسی جماعتوں کے احیاء کے بعد علامہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی نائب صدر منتخب ہوئے۔

1966ء میں مولانا بدایونی رحمتہ اللہ علیہ سے بعض اختلافات کے باعث علامہ ازہری اور ان کے رفقاء علامہ شاہ احمد نورانی ' مولانا محمد شفیع اوکاڑوی' مولانا سعادت علی

قادری، مفتی شجاعت علی قادری اور مولانا جمیل احمد نعیمی وغیرہ جمیعت علماء پاکستان سے علیحدہ ہوگئے اور جماعت اہلسنّت کی تشکیلِ نو کی۔ اِس تشکیلِ نو کے بعد جماعت اہلسنت کے صدر علامہ الازہری، نائب صدر مولانا محمد شفیع اوکاڑوی اور ناظم اعلی علامہ سعادت علی قادری ہوئے۔ ازہری صاحب کہا کرتے تھے کہ ''میں قومی اسمبلی کا سابق ممبر ہوں، مگر مجھے اس پر فخر نہیں، بلکہ مجھے فخر ہے تو اس بات پر، کہ میں جماعت اہلسنت کا پہلا صدر ہوں''۔

اس وقت جے یو پی تین دھڑوں میں تقسیم تھی، جن کی قیادت مولانا عبدالحامد بدایونی، صاحبزادہ فیض الحسن اور جناب عبدالغفور ہزاروی کررہے تھے۔ تاہم مولانا بدایونی جے یو پی کی اہم شناخت تھے۔ اس وقت جے یو پی ایک نیم سیاسی مذہبی جماعت تھی، مسلم لیگ کے ساتھ اشتراکِ عمل رکھتی تھی اور اپنی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو مسلم لیگ کے مذہبی ونگ ہونے کا تاثر دیتی تھی۔

جماعت اہلسنّت میں، اس کے دستور کے مطابق تین سال بعد قیادت میں تبدیلی آئی اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی جماعت اہلسنت کے صدر منتخب ہوئے۔ اگرچہ بہت کوشش کی گئی کہ حضرت ازہری صاحب ہی قائد رہیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ ''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیونکہ جماعت کا پہلا صدر ہوں، اور میں اپنے منصب سے چمٹے رہنے کی رسم قائم کرنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ اس سے غیروں کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ، ہمارے یہاں باصلاحیت افراد کا فقدان ہے''۔

علامہ ازہری سمیت اہلسنت کے ممتاز علماء و مشائخ سیاسی جھمیلوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے مگر جب ملک میں سوشلزم کا نعرہ بلند ہوا اور مارچ 1970 میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں منعقدہ ایک جلسے میں وطن عزیز میں لینن گراڈ بنانے کے عزم کا اظہار کیا گیا تو مذہبی جماعتیں چونکیں اور طے پایا کہ مذہبی جماعتیں آنے والے الیکشن میں اپنے متحدہ امیدوار کھڑے کریں گی۔ مگر دوسری طرف بعض نام نہاد مذہبی جماعتوں نے اہلسنت کو قومی اسمبلی کا ایک بھی ٹکٹ دینے سے انکار کردیا۔ جس پر علماء اہلسنت کو خود کچھ کرنے کیلئے سوچنا پڑا۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر 14-13 جون 1970 کو خواجہ قمر الدین سیالوی کی قیادت میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ''آل پاکستان سنی کانفرنس'' منعقد کی گئی۔ اِس موقع پر کراچی کے قافلے کی قیادت

علامہ ازہری نے فرمائی۔ کانفرنس میں خطبۂ استقبالیہ علامہ سید محمود احمد رضوی نے بحیثیت کنوینر جمعیت علماء پاکستان، پیش کیا۔ کانفرنس کے موقع پر مجلسِ عمل جمعیت علماء پاکستان کا انتخابی اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں خواجہ قمرالدین سیالوی جمعیت علماء پاکستان کے صدر اور علامہ سید محمود احمد رضوی ناظمِ اعلیٰ منتخب کیے گئے جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی اور پیر محمد کرم شاہ نائب صدور منتخب کیے گئے۔ اس اجلاس میں جمعیت علماء پاکستان نے ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت سے عام انتخابات میں حصہ لینے کا باقاعدہ فیصلہ کیا۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ کی سنی کانفرنس نے سنی علماء، مشائخ اور عوام میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس کانفرنس نے جے یو پی کی نشاۃِ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے بعد ایک کانفرنس 8,9 اگست 1970ء کونشتر پارک کراچی میں منعقد کی گئی۔ کانفرنس سے علامہ ازہری نے بحیثیت صدر جماعت اہلسنت پاکستان خطاب کیا۔ جبکہ علامہ شاہ احمد نورانی نے بحیثیت نائب صدر جماعت اہلسنت اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے جماعت اہلسنت کے نائب صدر اول کی حیثیت سے کانفرنس سے خطاب کیا۔

1970 کے عام انتخابات میں علامہ سید سعادت علی قادری اور عوامِ اہلسنت کے بے حد اصرار پر علامہ ازہری کو بھی الیکشن لڑنے پر راضی ہونا پڑا۔ اس الیکشن میں علامہ ازہری لانڈھی، کورنگی، ملیر، ڈرگ کالونی پر مشتمل قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر 128 سے قومی اسمبلی کے امیدوار تھے۔ عید الفطر کے بعد الیکشن تھے اور رمضان المبارک میں الیکشن مہم اپنے عروج پر تھی کہ ازہری صاحب اپنے معمول کے مطابق مسجد طیبہ ملیر میں اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ اعتکاف کے بعد عید کی چاند رات کو علامہ ازہری نے پوری رات اپنے حلقے کا دورہ کیا۔ انتخابی جلسوں میں لوگ آپ کی شگفتہ بیانی کے منتظر رہا کرتے تھے۔ اِس الیکشن میں علامہ ازہری نے پیپلز پارٹی کے امیدوار اور پاک فوج کے سابق سربراہ ریٹائرڈ میجر جنرل اکبر خاں کو 9 ہزار ووٹوں سے شکست دے کر کامیابی حاصل کی۔ تیسرے نمبر پر جماعتِ اسلامی کے صابر حسین شرفی رہے۔ ایسی مثالیں بہت کم ہیں کہ بغیر کوئی خرچہ کیے، اللہ اور اس کے رسول کی رحمت کے صدقے اور عوام کی حمایت سے کوئی اسمبلی کا رکن بنے۔ JUP 1970 کے عام انتخابات میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کر کے مغربی پاکستان کی سطح پر

دوسرے نمبر پر رہی ۔اس دور میں جے یو پی کا سیاسی کردار نکھر کر سامنے آیا۔ الیکشن کے بعد جمعیت علماء پاکستان نے علامہ شاہ احمد نورانی کو قومی اسمبلی میں جے یو پی کا پارلیمانی لیڈر اور علامہ ازہری کو ڈپٹی پارلیمانی لیڈر نامزد کیا۔ اجلاس میں آئینی معاملات پر دیگر جماعتوں سے مذاکرات کرنے کیلئے جو کمیٹی تشکیل دی گئی ، علامہ ازہری بھی اس کمیٹی کے رکن تھے۔

مئی 1973 کو خانیوال میں منعقدہ جے یو پی کے کنونشن میں کافی بحث و مباحثے کے بعد نائب صدر علامہ شاہ احمد نورانی جمعیت علماء پاکستان کے صدر، مولانا عبدالستار خان نیازی ناظم اعلیٰ اور ظہور الحسن بھوپالی پارٹی کے سیکریٹری اطلاعات منتخب ہوئے ۔علامہ ازہری 1973ء میں جمعیت علماء پاکستان (صوبہ سندھ) کے صدر اور مرکزی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے ۔آپ 1979 میں دوبارہ ان عہدوں پر منتخب ہوئے۔

علامہ ازہری نے 1977 میں دینی مصروفیات کے باعث الیکشن نہ لڑا مگر جب الیکشن میں دھاندلی کے خلاف ''تحریکِ نظامِ مصطفیٰ'' چلائی گئی تو علامہ ازہری نے اس تحریک میں حصہ لیا اور جمعیت علماء پاکستان کے قائم مقام صدر کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیئے۔تحریک نظامِ مصطفیٰ کے دوران علامہ ازہری گرفتار بھی ہوئے۔ اس تحریک میں انجمن طلبہ اسلام نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔

5 جولائی 1977ء کو جنرل محمد ضیاء الحق کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ملک کے سیاسی افق پر بڑی تبدیلیاں ہوئیں۔16-17 اکتوبر 1978 کو جماعت اہلسنّت پاکستان کے زیرِ اہتمام ملتان میں کل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اِس کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ جولائی میں کرلیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں جماعت اہلسنت کا ایک اجلاس علامہ ازہری کی صدارت میں 21 ستمبر 77 کو جامعہ رضویہ فیصل آباد میں بھی ہوا ۔ایک اور اجلاس 3 اگست 78ء کو علامہ ازہری کی صدارت میں دارالعلوم امجدیہ کراچی میں بھی ہوا ۔اجلاس میں کانفرنس کے لئے نشر و اشاعت، رابطہ اور فنڈ کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ملتان سنی کانفرنس کے چوتھے اور اختتامی اجلاس سے علامہ ازہری نے خطاب فرمایا۔

25-26 مارچ 1979 کو راولپنڈی میں میلادِ مصطفیٰ کانفرنس منعقد کی گئی۔ علامہ ازہری نے اس کانفرنس کی دوسری نشست سے خطاب کیا۔ملتان کانفرنس کی طرح

اس کانفرنس میں بھی عوام اہلسنت نے زبر دست یکجہتی کا اظہار کیا۔کانفرنس کے موقع پر 24مارچ 79 کو جے یو پی کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں مولانا نورانی کو پارٹی کا دوبارہ صدر منتخب کرلیا گیا۔

16اکتوبر1979 کو جنرل محمد ضیاء الحق نے 17 نومبر79 کے مجوزہ الیکشن ملتوی کرنے ، سیاسی پارٹیوں پر پابندی عائد کرنے اور پریس پر سنسر لگانے کا اعلان کیا۔جس کے بعد جے یوپی نے ''تحریک نظام مصطفیٰ'' کے نام سے کام کرنے کا فیصلہ کیا۔

1981ء میں جنرل محمد ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ تشکیل دی تو علامہ ازہری سمیت جے یوپی کے بعض اہم رہنماؤں نے مجلس شوریٰ میں شمولیت کا فیصلہ کیا جبکہ جے یو پی کے سربراہ علامہ شاہ احمد نورانی اور ہم خیال افراد نے اس کی شدید مخالفت کی۔مجلس شوریٰ میں علامہ ازہری نے اپنے رفقاء ظہور الحسن بھوپالی، حافظ محمد تقی، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی،الحاج شمیم الدین، مفتی محمد حسین قادری (سکھر) کے ہمراہ شمولیت اختیار کی اور 1981 تا 1985 مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔جمعیت علماء پاکستان کے اہم رہنماؤں کے حکومت سے تعاون اور مجلس شوریٰ میں ان کی شرکت سے جے یوپی مزید اختلافات کا شکار ہوگئی۔علامہ ازہری جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ تعاون کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ''جنرل صاحب کو مذہبی اصلاحات کرنے کا بہت شوق ہے، اگر ہم لوگوں نے اُن کی اصلاح نہ کی،تو خطرہ ہے کہ کہیں موصوف اسلامی نظام کا حلیہ ہی نہ بگاڑ دیں،اور اگرایسا ہوگیا تو پھر کام بہت دشوار ہوجائے گا۔'' آپ فرماتے تھے کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کیلئے اس دور (جنرل ضیاء کے دور) سے بہتر کوئی وقت نہیں تھا۔ مجھے مستقبل تاریک ہی نظر آتا ہے، اللہ کرے ایسا نہ ہو''۔

جمعیت علماء پاکستان نے فروری 85 میں غیر جماعتی بنیادوں پر منعقد ہونے والے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔جبکہ علامہ ازہری اور ان کے رفقاء نے یہ الیکشن'' نظام مصطفیٰ گروپ'' کے نام سے لڑا اور کراچی میں جماعت اسلامی کے مقابلے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔اس الیکشن میں علامہ ازہری ملیر سعود آباد سے امیدوار ہوئے اور جماعت اسلامی کے ذاکر علی کو 10 ہزار ووٹوں سے شکست دے کر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔آپ

مئی 1988ء تک رکن قومی اسمبلی رہے۔1985 کے الیکشن کے بعد محمد خان جونیجو وزیر اعظم بنائے گئے تو نظامِ مصطفیٰ گروپ کی طرف سے محمد حنیف طیب کو مرکزی حکومت اور حافظ محمد تقی (شہید سانحہ نشتر پارک) کو صوبائی کابینہ میں شامل کیا گیا۔ تاہم 1988 میں جب جنرل محمد ضیاء الحق نے بحیثیت صدر، قومی اسمبلی توڑنے اور جونیجوحکومت برطرف کرنے کا قدم اٹھایا تو نظامِ مصطفیٰ گروپ نے ضیاء الحق صاحب کے اس اقدام کی مخالفت کی۔علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری ''نظامِ مصطفیٰ گروپ'' کے تمام اہم فیصلوں میں شریک رہے اور وقتاً فوقتاً رہنمائی فرماتے رہے۔

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری نے ہر مرحلہ پر نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے عملی نفاذ کی ضرورت پر زور دیااور اس پر اپنا نقطۂ نظر پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔آپ اپنی تقاریر میں، کمیونزم اور سوشلزم کو بڑی شدت کے ساتھ رد فرماتے تھے ۔ علامہ ازہری قوانین کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے قائم کردہ کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ایوان قومی اسمبلی کا ہو یا مجلسِ شوریٰ کا۔وہ تقریباً ہر اجلاس میں حکومتِ وقت کے غلط فیصلوں پر تنقید کرتے سنے گئے، جبکہ انہوں نے حکومت کے اچھے فیصلوں کو سراہا۔علامہ ازہری قومی اسمبلی اور مجلسِ شوریٰ کے اجلاسوں میں عوامی مسائل کو بڑی متانت اور مدبرانہ انداز میں پیش کیا کرتے۔آپ ہمیشہ اہل سنت وجماعت کے حقوق کی حفاظت و پاسداری کے لئے سرگرم عمل رہے۔ اسمبلی میں آپ کی شگفتہ بیانی اور حاضر جوابی بڑی ذومعنی ہوتی تھی۔ جب اسمبلی میں بحث اختتام پذیر نہیں ہورہی ہوتی تو علامہ ازہری اپنی تقریر سے اس کا اختتام بڑی عمدگی سے فرما دیتے، ایسے موقعوں پر اکثر چیئرمین شوریٰ بھی آپ کی جانب دیکھا کرتے تھے۔علامہ ازہری قومی اسمبلی کے اجلاسوں میں بڑی باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔قومی اسمبلی کے اجلاسوں کے دوران جب بھی آپ نے دارالعلوم امجدیہ سے چھٹی لی اِس کا مشاہرہ نہیں لیا۔آپ کہا کرتے تھے کہ جتنے دن پڑھایا ہے صرف اتنے ہی دن کی تنخواہ دی جائے۔ اسلام آباد میں قیام کے دوران راولپنڈی میں علامہ عبدالغفور صاحب کے دارالعلوم غوثیہ میں درسِ حدیث دیا کرتے۔

علامہ ازہری فرمایا کرتے تھے کہ ''سیاست ہمارے لئے کوئی اجنبی یا انوکھا شعبہ نہیں،

یہ تو ہمارے دین ہی کا ایک شعبہ ہے، جس کی طرف ہم نے عملی توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن اب ہمیں اسمبلیوں میں پہنچ کر نظام مصطفی ﷺ کا درس دینا ہوگا، اُس کی عظمتوں اور برکتوں کو بتانا اور ثابت کرنا ہوگا۔ تا کہ ہمارے قائدین دین کی طرف واپس آئیں اور قوم کی صحیح قیادت کی ذمہ داری پوری کریں۔"

قومی اسمبلی میں جب علامہ شاہ احمد نورانی نے مطالبہ کیا کہ آئین میں ''مسلمان'' کی تعریف شامل کی جائے تو وفاقی وزیر اطلاعات مولانا محمد کوثر نیازی نے چیلنج کیا کہ آپ لوگ مسلمان کی ایک متفقہ تعریف پیش ہی نہیں کر سکتے۔ اس چیلنج کو فی الفور جے یو پی کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے قبول فرمایا۔ لہٰذا سیشن کے بعد علامہ ازہری نے فی الفور مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار خاں نیازی، مولانا محمد علی رضوی اور مولانا غلام علی اوکاڑوی کے ساتھ مل کر'' مسلمان'' کی تعریف تیار کی۔ پھر اس تعریف پر دیگر اراکین اسمبلی سے دستخط کروا کر اسے باقاعدہ طور پر قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا۔ پاکستان کے آئین میں اب تک علماء اہلسنت کی تیار کردہ یہ تعریف شامل ہے اور یہی تعریف 1974ء کی ''تحریکِ ختمِ نبوت'' کی بنیاد بنی۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے، قانون توہینِ رسالت اور قانونِ شہادت کے نفاذ میں علامہ ازہری کا اہم کردار ہے۔ قادیانی مسئلے پر قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اور اسٹرنگ کمیٹی کے اجلاسوں میں قادیانی پیشوا مرزا ناصر احمد اور مرزا صدر الدین پیش ہوئے۔ ان کے سامنے 170 سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ رکھا گیا۔ اس سوالنامے کے 75 سے زائد سوالات جے یو پی کے منتخب اراکین، علامہ ازہری، علامہ محمد علی رضوی اور مولانا محمد ذاکر کی طرف سے پوچھے گئے تھے۔ علامہ ازہری اس پینل میں بھی شامل تھے جس نے مرزا ناصر احمد کے سوالات کے مدلل جوابات دیئے۔

علامہ ازہری نے بے شمار اداروں اور تنظیموں کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ 21 جنوری 73ء کو علماء اہلسنت کا ایک اجلاس مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اجلاس میں پاکستان سے علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، مولانا عبدالستار خاں نیازی اور پیر معروف حسین نے شرکت کی۔ اجلاس میں دنیا بھر میں تبلیغِ اسلام کی غرض سے ''ورلڈ اسلامک مشن'' کا قیام عمل میں لایا

گیا۔ انڈیا کے علامہ ارشد القادری ورلڈ اسلامک مشن کے پہلے کنویز مقرر ہوئے۔

مئی 1960 میں سنی مدارس میں رابطے کیلئے "تنظیم المدارس الاسلامیہ" کا قیام عمل میں آیا۔ مگر بعض وجوہات کی بنا پر یہ تنظیم مؤثر طور پر کام نہ کر سکی۔ علامہ ازہری کو اس کا گہرا احساس تھا۔ علامہ ازہری نے اس مقصد کے لئے علماء اہلسنت سے رابطے شروع کئے اور متعدد میٹنگیں کیں۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کی سطح پر مدارس کا ایک کنونشن بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب کو یہ کنونشن طلب کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ 9 جنوری 74ء کو جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں یہ کنونشن منعقد ہوا۔ کنونشن میں اہلسنت کے مدارس کے مہتمم حضرات اور علماء کرام نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ کنونشن میں "تنظیم المدارس الاسلامیہ" کو نیا نام "تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان" دیا گیا۔ اور اسے مؤثر بنانے کے لئے مختلف فیصلے کئے گئے۔ دارالعلوم امجدیہ کی بزمِ امجدی رضوی بھی آپ ہی کے ایماء پر قائم کی گئی۔

علامہ ازہری اپنے کارکنان اور شاگردوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ آپ کو ہمیشہ فکر رہا کرتی تھی کہ، کارکن جب دن رات ہمارا کام کرتے رہتے ہیں، تو ان کی ضروریات کیسے پوری ہوتی ہونگی'۔ اسلام آباد میں آپ کا کمرہ پاکستان بھر خاص طور سے سندھ اور کراچی والوں کیلئے غریب پرور قیام گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ علامہ ازہری اسلام آباد میں بھی عوامی سواری استعمال کیا کرتے۔

عموماً لوگ انتخابات میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن 1970ء اور 1985ء کے الیکشن میں انہیں نہایت ہی مطمئن دیکھا گیا۔ وہ رمضان شریف میں بڑی پابندی اور اطمینان سے اعتکاف کرتے تھے اور انتخابات وغیرہ کے معاملات کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیتے تھے۔ 1985ء کے الیکشن میں کامیابی کے بعد انہوں نے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "الیکشن کے دوران بعض محبت کرنے والے مجھے الیکشن فنڈ میں کچھ رقم بطور عطیہ دیتے تھے۔ لیکن میں نے اپنی انتخابی سرگرمیوں کے دوران بہت کم رقم خرچ کی ہے۔ تاہم میری اہلیہ نے بتایا کہ الیکشن کے دوران کم و بیش چھ ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں۔ میں نے وہ رقم منہا کر لی اور باقی بچ رہنے والی رقم میں حاجی محمد حنیف طیب

صاحب کو لوٹا رہا ہوں۔ تاکہ وہ انہیں پارٹی کے اخراجات میں استعمال کرسکیں''۔

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے کبھی انکساری اور وضع داری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپ دو مرتبہ قومی اسمبلی کے رکن اور 4 سال مجلسِ شوریٰ کے ممبر رہے۔ سربراہ مملکت اور وزراء کرام آپ کا بڑا احترام کرتے تھے، مگر علامہ ازہری نے کبھی اپنے لئے یا اپنے بچوں کے لئے ناجائز مراعات حاصل نہیں کیں۔ علامہ ازہری کی ساری زندگی سادگی، تحریک اور ایمانداری سے عبارت ہے۔ علامہ ازہری نے زندگی 80 گز کے ایک کوارٹر میں بسر کی۔ ہمیشہ سادہ رہن سہن رکھا۔ زندگی بھر اپنی ذاتی سواری سے محروم رہے۔ اسلام آباد اور کراچی جیسے شہر میں بسوں ویگنوں میں سفر کرتے رہے۔ مقروض ہوگئے مگر مہمان نوازی ترک نہ کی۔ روکھی سوکھی کھائی مگر کبھی عزت پر حرف نہیں آنے دیا آپ نے بحیثیت شیخ الحدیث، رکن قومی اسمبلی اور بطور ایک سیاسی رہنماء کے دین اور سیاست کا حق ادا کر دیا۔

عہد حاضر میں بھلا کون ہے جو اس طرح کی مثال قائم کرسکے۔ غریب ومتوسط طبقے کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے بھی علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری جیسی زندگی بسر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ آج کراچی کا شاید ہی کوئی ایم این اے ہو، جس کا رہن سہن اور معاملات ازہری صاحب جیسے سادے اور صاف ستھرے ہوں۔ آپ نے اپنی ساری زندگی محبتِ رسول ﷺ میں وار دی۔ علامہ ازہری اہلسنت کے اتحاد کی حسرت لئے ماہِ ربیع الاوّل میں ہم سے جدا ہوگئے۔ آج بھی پرانے لوگ اُس دور کو یاد کرتے ہیں، جب اہلسنت کو اوراس شہر کو ازہری صاحب جیسی قیادت میسر تھی۔ اب تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ایسے لوگ نہیں ملتے۔

رحمتہ اللہ علیہ

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری

سیرت وخدمات کا تجزیہ

میر حسین علی امام

علماء و مشائخ، اولیاء کرام، صالحین کے دم سے یہ دنیا جنت بنی ہوئی ہے۔ یہ اسلامی شریعت وطریقت کے پابند ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھنے سے سکون، اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھنے سے انسان میں نیکی، ہمدردی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ انسان انسانیت اور آدمیت سیکھتا ہے۔ اچھے اور بُرے کی پہچان ہوتی ہے۔ نیکی اور بدی میں تمیز کرتا ہے۔ اس کی ساری زندگی امر بالمعروف کے لیے گذرتی اور اس کا ہر دن نہی عن المنکر کی تفسیر کے لیے جدوجہد میں گذرتا ہے۔

عبدالمصطفیٰ الازہری ہمارے عہد کے ولی کامل، عالم، فاضل، شیخ الحدیث، صدر مدرس، سیاسی لیڈر تھے، آپ کی زندگی صالحین، اولیاء کرام کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی۔

حضرت الازہری صاحب کے حوالے سے علماء و مشائخ کے مضامین و تاثرات آپ نے پڑھے۔ میں نے بھی ان مضامین کو پڑھا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس بیسویں صدی میں زہد وتقویٰ، حق گوئی کے نمونے، علم وعرفان کے دریا سرچشمے لیے ہوئے علماء و مشائخ ہمارے اندر موجود ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے عہد میں اسلامی نظام کے احیاء کے لے نظامِ مصطفیٰ کے قیام کے لئے جدوجہد اور تحریکیں جاری ہیں۔

میں بنیادی طور پر سیرت نگار، تجزیہ نگار، مورخ اور محقق ہوں۔ میں آدمی کے نام سے زیادہ اس کی شخصیت، سیرت کے گوشوں سے متاثر ہوتا ہوں۔ میں نے الازہری صاحب کے حوالے سے مضامین کا مطالعہ کیا اور شخصیت و سیرت کا تجزیہ کیا اور چند اہم

نکات سامنے آئے۔ وہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ بھی ؟ سمجھیں اور الازہری صاحب اور دیگر علماء و مشائخ اور اکابرین اُمت کی اہمیت جانیں اور سمجھیں۔

اوّل یہ کہ آپ کے والد صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب تھے، جو ''بہارِ شریعت'' کے مصنف تھے۔ عالم، ولی کی اولاد ہونے کے ناطے آپ کو والد کا فیض بھی حاصل ہوا۔ تربیت بھی ملی اور آپ نے ہمیشہ اپنی خدمات و محنت سے ثابت کیا کہ آپ ایک عالم، مدرس کے بیٹے ہیں۔ پچاس سال تک آپ نے درس و تدوین کا سلسلہ جاری رکھا۔ علی الصباح دارالعلوم امجدیہ میں تشریف لاتے تھے۔ یہ معمول آپ کی اپنے پروفیشن، اپنے پیشہ علم سے محبت کو پیش کرتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ کو والد صاحب نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ اعلیٰ حضرتؒ نے آپ کے لئے دُعا بھی فرمائی اور آپ کا نام عبدالمصطفیٰ اپنے نام کی نسبت سے رکھا۔ یہ آپ کا فیضان عام ہوا کہ عبدالمصطفیٰ کے نام سے مشہور ہوئے اور بلند پایہ عالم بنے۔ اس سے ہمیں علم ہوا کہ ہمیں علماء و مشائخ کی خدمت میں جانا چاہیے ان کی صحبت میں، ان کی دعا کے لیے اپنی اولاد کو بھی لے جانا چاہیے۔ اس سے بچوں کے علم و عرفان، بلند اقبال، درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔

تیسرے یہ کہ آپ نے جامعہ الازہر سے اعلیٰ اسناد لیں۔ شہادت عالمیہ وغیرہ، بین الاقوامی معیار کی تعلیم حاصل کی اور مختلف شہروں، فیصل آباد، جھنگ، ہارون آباد، اعظم گڑھ، وغیرہ سب کو اپنے علم سے فیضیاب کی ورنہ عموماً ماہرین علوم صرف بڑے علمی مراکز کو اپنا لیتے ہیں۔

چوتھا اہم پہلو اہل سنت کے لیے خدمات ہیں۔ جمعیت علمائے پاکستان کے تحت کام کیا۔ اختلاف کے سبب کچھ عرصہ علیحدگی اختیار کی لیکن جب سنی کانفرنس وغیرہ منعقد ہوئی اور نشاۃ ثانیہ ہوئی تو آپ پھر جمعیت علمائے پاکستان میں شامل ہوئے اور خدمات انجام دیں۔ بعد میں جماعت اہل سنت کے تحت بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔

پانچویں آپ کا سیاسی کردار، سیاسی بصیرت، جب دو مرتبہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور ایک مرتبہ مجلس شوریٰ کے ممبر مقرر ہوئے تو اہل سنت کے تمام اہم لیڈر آپ

سے مشورے کرتے تھے۔ آپ اہل سنت کے اہم سیاسی قائد کے طور پر سامنے آئے۔ انتخابات میں حصہ لینے کی بصیرت اور پھر کامیابی اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل سنت کے علماء کی عوام میں کتنی مقبولیت و پذیرائی ہے۔

چھٹے آپ کی مذہبی حمیت اور عشق رسول ﷺ۔ آپ اسے زندگی کا محور و مقصد سمجھ سکتے ہیں۔ آپ نے صدر ضیاء الحق کی اسمبلی میں حصہ اسی لیے لیا تھا کہ ضیاء الحق اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتے تھے۔ الازہری صاحب نے خیال کیا کہ اس موقع پر فوج کا، صدر کا ساتھ دینا چاہیے تاکہ ملک میں اسلامی نظام، نظام مصطفیٰ کے قیام کے لیے ابتدائی فریم ورک میں کام شروع ہو۔ اس سے آہستہ آہستہ تمام قوانین کو اسلامی آئین بنانا ممکن ہوگا۔ آپ نے ختم نبوت تحریک اور گستاخ رسول کی سزا موت ہے وغیرہ میں اہم کردار ادا کیا اور اپنے علمی استدلال سے قانون سازی میں اسمبلی کی رہنمائی کی۔

میں سمجھتا ہوں کہ الازہری صاحب کی یہ باتیں ان کو بلند پایہ مذہبی سیاسی لیڈر، سیاسی مفکر، اہل سنت کے عظیم مدبر، بلند پایہ شیخ الحدیث کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ آپ ہمارے اکابرین اُمت میں سے تھے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمارے عہد میں آپ جیسی قدآور شخصیت رہی۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ کے ہزارہا طالب علم آپ کے عطا کردہ علم، عرفان، فیض کی بدولت اہل سنت کی نمائندگی، خدمت کر رہے ہیں۔ پاکستان میں اسلامی نظام، نظام مصطفیٰ کے قیام کے لیے کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہم نئی نسل کو ان اکابرین، ان مشائخ سے کام کرنے کی لگن، عشق رسول، عشق الٰہی، حاصل ہوتا ہے اور یہی ان اکابرین کا فیضان ہے کہ نئی نسل میں اسلامی تعلیمات عام ہو رہی ہیں۔ لوگ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو رہے ہیں۔
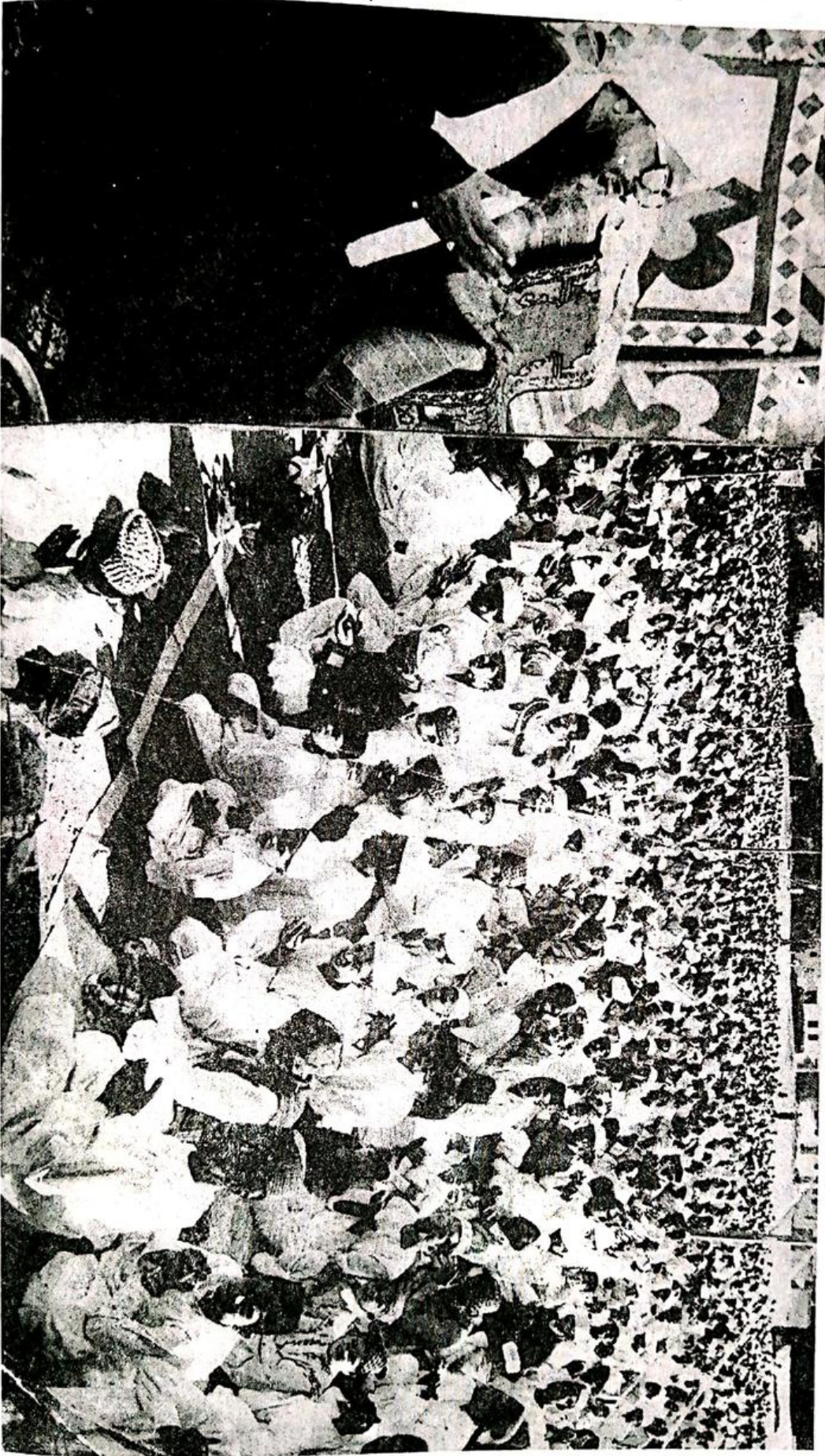
علامہ ازہری کی ایک یادگار تصویر۔ نمازِ عید کے اجتماع سے خطاب کے بعد دُعا
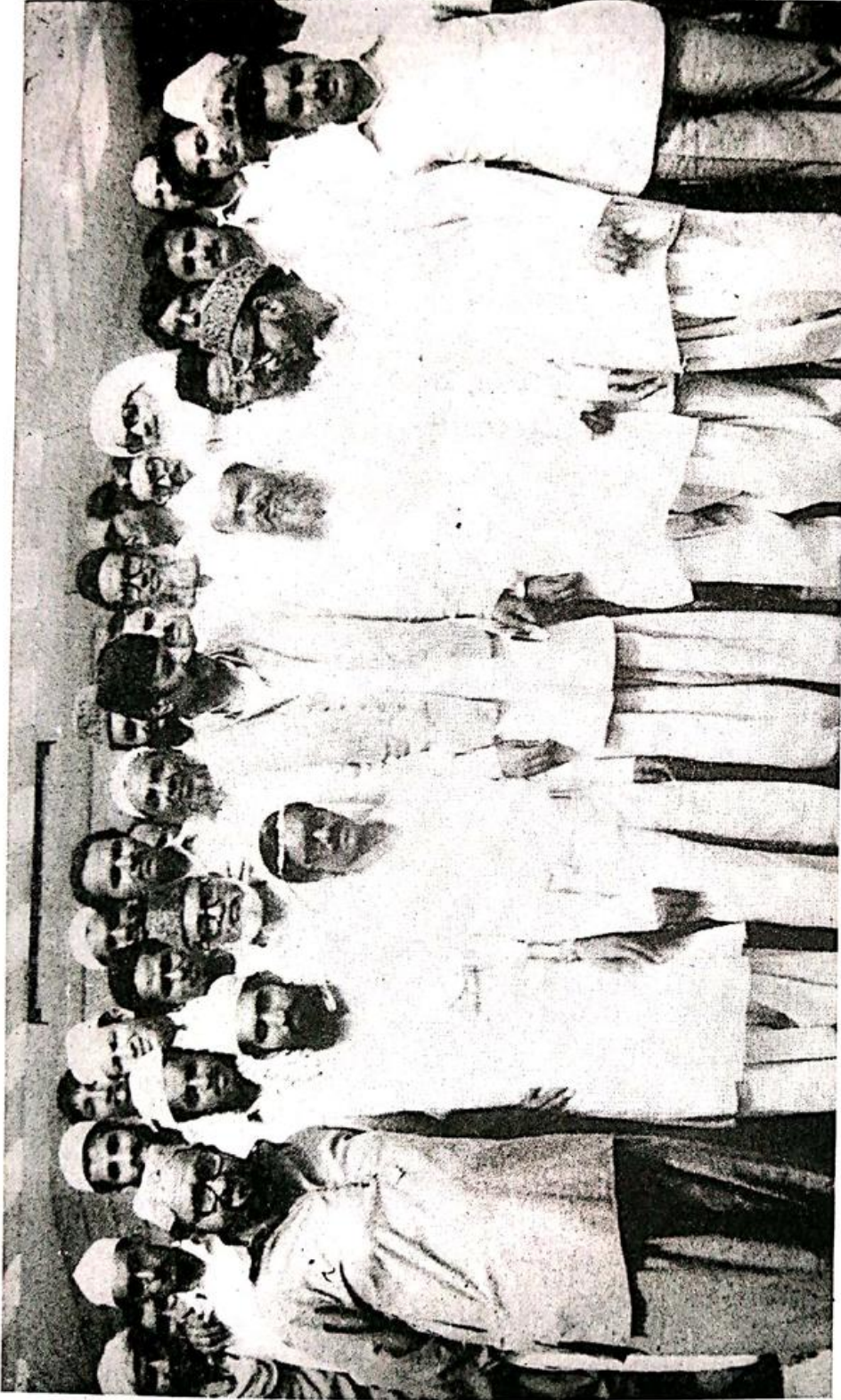
ممتاز سیاستدان چودھری ظہور الٰہی کراچی جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم امجدیہ تشریف لائے۔ اس موقعہ پر لیا گیا گروپ فوٹو۔ تصویر میں علامہ ازہری کے ہمراہ علامہ حسن حقانی، حاجی محمد حنیف طیب، قاری رضا المصطفیٰ اعظمی، صوفی ایاز خان نیازی، الحاج شمیم الدین، خان محمد پراچہ، عبدالقادر نورانی، محمد یوسف بلوچ، امان اللہ خان نیازی ودیگر۔

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کی ایک یادگار تصویر

علامہ ازہری، صاحبزادے انتظار المصطفےٰ کی شادی کے موقع پر سہرا باندھتے ہوئے۔
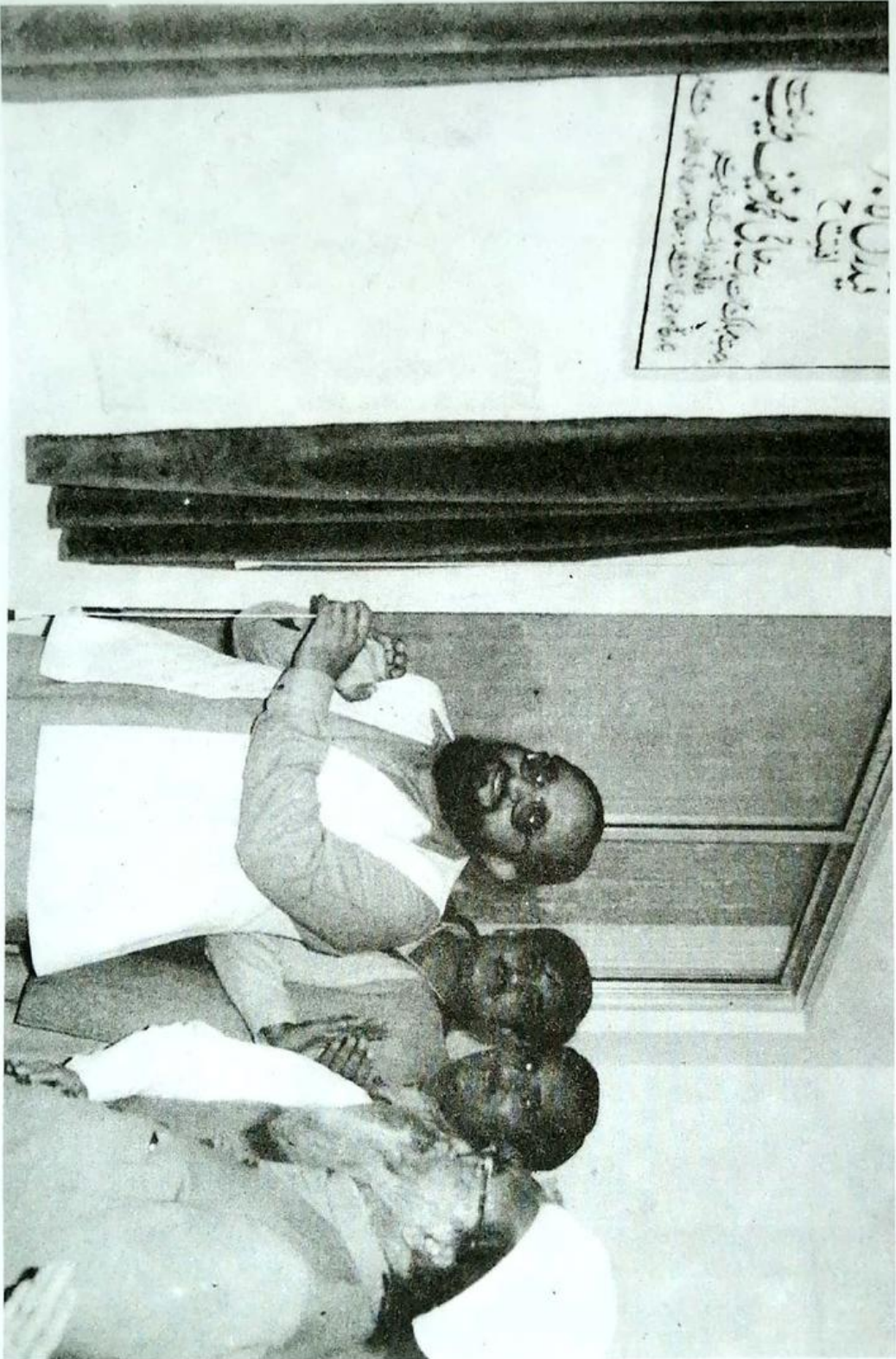
وفاقی وزیر ہاؤسنگ و تعمیرات حاجی حنیف طیب فیڈرل لاجز کا افتتاح کر رہے ہیں۔ علامہ ازہری بھی موجود ہیں۔
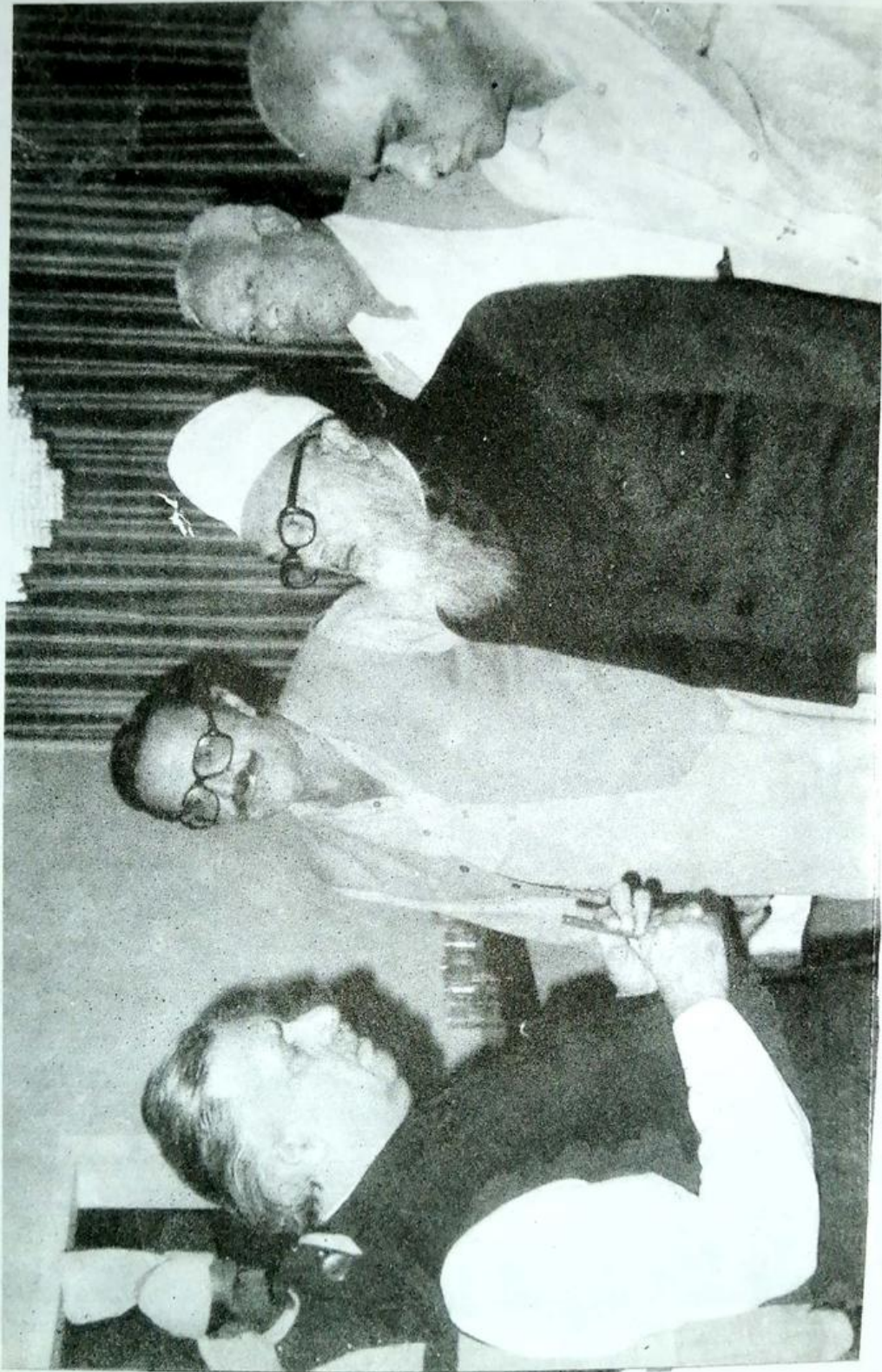
ازہری صاحب ایک موقع پر سندھ کے وزیراعلیٰ سید غوث علی شاہ کے ساتھ محو گفتگو ہیں۔

MNA ہاسٹل میں قومی اسمبلی میں توہین رسالت کے بل کے سلسلے میں علامہ ازہری رفقاء سے گفتگو کر رہے ہیں۔ اس موقع پر علامہ شاہ تراب الحق قادری، حاجی محمد حنیف طیب اور بیگم قمر النساء قمر صاحبہ بھی موجود ہیں۔

قومی اسمبلی کے اسپیکر حامد ناصر چٹھہ کے ساتھ علامہ ازہری غیر ملکی دورے میں مولانا رحمت اللہ، اکرم ذکی، پروفیسر محمد عثمان رمز، شاہ بلیغ الدین ودیگر ممبران اسمبلی کے ساتھ
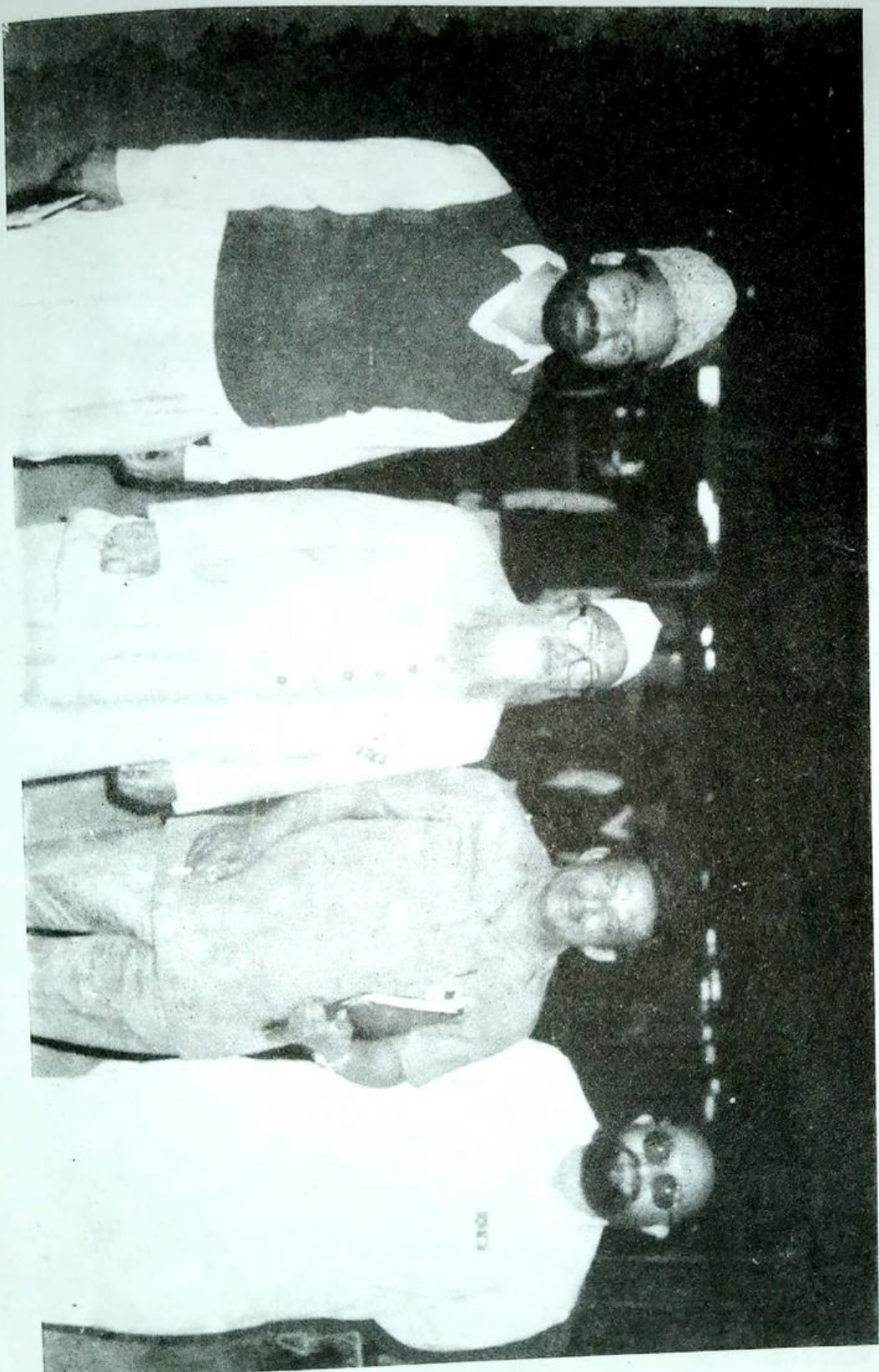
علامہ ازہری قومی اسمبلی کے ممبران حاجی حنیف طیب، عثمان نوری اور آفاق شاہد کے ہمراہ

علامہ عبدالمصطفےٰ الازہری کی ایک یادگار تصویر

دارالعلوم امجدیہ کا سالانہ جلسہ دستارِ فضیلت ، سید احمد یوسف ، دوست محمد فیضی صوبائی وزراء کے ساتھ علامہ ازہری کا گروپ فوٹو ۔ مولانا محمد شاہدین اشرفی بھی موجود ہیں ۔

علامہ ازہری غیر ملکی دورے کے موقع پر

علامہ صاحب کی ایک یادگار تصویر

علامہ ازہری عالمی سیرت کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

علامہ صاحب غیر ملکی دورے پر

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری صاحب (علیہ الرحمہ) کے وصال کی خبر سن کر صدمہ ہوا۔ مولائے قدیر اپنے محبوب علیہ السلام کے طفیل انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم محمد اختر رضا خان الازہری قادری (بریلی شریف)

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے وصال پر میری قلبی تعزیت قبول فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو سکون عطا فرمائے اور آپ کو اور سوگوار اہل خانہ کو ناقابل تلافی نقصان کو برداشت کرنے کی ہمت دے۔ محمد خان جونیجو (سابق وزیراعظم پاکستان)

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے انتقال کی اطلاع سے مجھے سخت ذہنی تکلیف پہنچی۔ مرحوم نے بحیثیت پارلیمینٹرین اور مذہبی رہنما کے جو خدمات سرانجام دیں وہ تادیر یاد رکھی جائیں گی۔

وسیم سجاد (سابق چیئرمین، سینیٹ آف پاکستان)

حضرت علامہ الازہری امجدی علوم و معارف کے خازن و امین تھے۔ قوت حفظ و ذہانت میں وہ اپنے معاصرین کے اندر بالکل منفرد تھے۔ ایسا جامع اور متبحر استاد اب مشکل ہی سے مل سکے گا۔

علامہ ارشد القادری

محترم علامہ صاحب کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ مرحوم جید عالم تھے۔ خوش اخلاق، ملنسار اور منکسر المزاج تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ خواجہ محمد صفدر (سابق چیئرمین وفاقی مجلس شوریٰ پاکستان)

علامہ الازہری صاحب ایک جید عالم دین، مفتی، محدث، مقرر اور ایک مدبر سیاست دان بھی تھے۔ انہوں نے ساری زندگی درس حدیث میں صرف کی۔ علامہ سید محمود احمد رضوی

(شارح بخاری شریف، سابق چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی ورکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

علامہ ازہری اسمبلی میں لوگوں کے اجتماعی مسائل بڑے اچھے انداز میں اٹھاتے تھے۔ اگر اسمبلی کا ریکارڈ اٹھا کر دیکھا جائے تو 90 فیصد اراکین اسمبلی سے زیادہ بہتر کارکردگی علامہ ازہری کی تھی۔ ازہری صاحب کے جدوجہد کے نتیجے میں ہم آئین میں توہین رسالت کی سزا عمر قید کے بجائے موت کا قانون پاس کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ حاجی محمد حنیف طیب

(سابق وفاقی وزیر ہاؤسنگ و تعمیرات، پیٹرولیم و قدرتی وسائل، محنت، افرادی قوت و سمندر پار پاکستانیز و ماحولیات)